رضا اکیڈمی کا دینی، علمی، اصلاحی و ادبی مجلّہ

سالنامہ

یادگارِ رضا

۱۴۳۵ھ ۲۰۱۴ء

مؤسس: الحاج مُحمّد سعید نوری مدّظلہ العالی

مُرتّب: غُلام مُصطفٰے رضوی

رضا اکیڈمی

بہ فیض حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مؤسس : الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

رضا اکیڈمی ممبئی کا دینی، علمی، اصلاحی وادبی مجلّہ

سال نامہ

یادگارِ رضا

۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء

مرتب: غلام مصطفیٰ رضوی

ناشر: رضا اکیڈمی

۵۲/ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۴۰۰۰۰۹

Ph.: (022) 66342156   www.razaacademy.com

e-mail : gmrazvi92@gmail.com

آئینۂ یادگارِ رضا

	اداریہ		
۱	فروغِ فکرِ رضا: ضرورت اور تقاضے	غلام مصطفیٰ رضوی	۴
	نقطۂ فکر		
۲	فکرِ رضا کے تعارف کے عصری تقاضے	ڈاکٹر ساحل شہسرامی	۶
	مدحت		
۳	مصطفائے ذاتِ یکتا آپ ہیں	تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری	۱۶
۴	نعت کی صنفی حیثیت	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	۱۷
	رضویات		
۵	مجددِ اعظم	علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی	۲۵
	تحقیقات		
۶	امام احمد رضا بریلوی اور ردِّ قادیانیت	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	۳۰
۷	امام احمد رضا پر ایک بہتان کا ازالہ	خلیل احمد رانا	۳۸
	محاسبہ		
۸	امام احمد رضا اور انگریز کی مخالفت	غلام مصطفیٰ رضوی	۴۶
	نظریات		
۹	جدید وقدیم سائنسی افکار اور امام احمد رضا	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۶۹
۱۰	امام احمد رضا ایک موسوعاتی سائنس داں	پروفیسر جمیل قلندر	۸۶
۱۱	علم ہندسہ پر امام احمد رضا کی نقد ونظر	خواجہ مظفر حسین رضوی	۹۵
۱۲	سائنس، ایمانیات اور امام احمد رضا	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	۹۹
۱۳	رسالہ در علم لوگارثم کے چند حواشی	پروفیسر محمد ابرار حسین	۱۰۹
	آئینۂ رضا		
۱۴	مفتی اعظم: علم فتویٰ میں امام احمد رضا کا آئینہ	محمد اسلم رضا قادری	۱۱۳
۱۵	تاج الشریعہ: ایک ہمہ جہت شخصیت	غلام مصطفیٰ رضوی	۱۲۰
	اعترافات		
۱۶	اعلیٰ حضرت کی ردِّ شیعیت میں خدمات	میثم عباس رضوی	۱۲۵

تجزیات

۱۷ ردِّ قادیانیت میں اولین رسالہ ''قہرالدیان'' بریلی — محمد ثاقب رضا قادری — ۱۳۶

سفیر رضویات

۱۸ خلیفۂ اعلیٰ حضرت، ملک العلما: آئینۂ ایام — پروفیسر طارق مختار — ۱۴۴

۱۹ مشرقی اور سمتِ قبلہ: ایک تجزیاتی مطالعہ — انوار محمد عظیم آبادی — ۱۴۸

یاد رفتگاں

۲۰ الحاج محمد سعید نوری کے والد ماجد اور اکابر اہلِ سُنّت کی رحلت — ادارہ — ۱۵۶

پیش رفت

۲۱ ۲۰۱۳ء میں رضا اکیڈمی کی سرگرمیاں — ادارہ — ۱۵۹

☆☆☆

نوری مشن کی تازہ مطبوعات

نوری مشن مالیگاؤں نے حال ہی میں درج ذیل کتابوں کی اشاعت کی ہے:

۱ انبیائے کرام گناہ سے پاک ہیں — امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ

۲ سلام وقیام — پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی

۳ ذاتی وعطائی کا فرق — مولانا فیض احمد اویسی رضوی

۴ شانِ محبوبی کے پھول — مفتی محمد امین صاحب

آخرالذکر کتاب تحریک تبلیغ الاسلام فیصل آباد کے اشتراک سے شائع ہوئی اور تمام کتب کی بلا قیمت تقسیم عمل میں آئی۔

ملنے کا پتا: مدینہ کتاب گھر، اولڈ آگرہ روڈ، مالیگاؤں

رابطہ کے لیے: Cell. 9325028586 gmrazvi92@gmail.com

اداریہ

فروغِ فکر رضا: ضرورت اور تقاضے

امام احمد رضا محدث بریلوی ماہر علومِ جدیدہ وقدیمہ تھے۔ آپ نے ہر علم وفن میں گراں قدر تصانیف قوم کو عطا فرمائیں۔ آپ کی تصنیفات میں وہ گہرائی وگیرائی ہے کہ کسی موضوع پر تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔ موضوع سے متعلق سیر حاصل مواد عنایت فرما دیتے ہیں۔ جو مسئلہ بارگاہِ رضا میں پیش ہوتا اس کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کر لیتے اور استدلال کے ساتھ حکم اسلامی واضح فرماتے۔ علمی وفکری گہرائی اور درا کی کا اعتراف بڑے بڑے اربابِ علم وفن نے کیا ہے، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نقشبندی کے بقول:

''ان کے فضل وکمال، ذہانت وفطانت، طباعی ودرا کی کے سامنے بڑے بڑے علما، فضلا، یونی ورسٹی کے اساتذہ، محققین اور مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے۔'' (کلام رضا، اصغر حسین نظیر لدھیانوی، ص۵)

امام احمد رضا کا علمی سرمایہ جو ہزار کے لگ بھگ کتب ورسائل وحواشی پر مشتمل ہے۔ ان میں کثیر علمی جہات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ سرمایہ قابلِ قدر، وقیع اور حوصلہ افزا ولائق فخر ہے۔ ایسے مایوس کن حالات میں جب کہ یورپ نے مادی وسائنسی ترقیات کے سہارے مسلم قوم کو زوال سے دوچار کر کے اپنا مرہونِ منت بنانا چاہا، امام احمد رضا نے ماضی کی قابلِ فخر اسلامی تاریخ وروایت سے ہمارا رشتہ استوار کرایا۔ اور علمی تحقیقات پر مشتمل ایسی نگارشات عطا کیں جن سے استفادہ کر کے ہم مشرقی علوم وفنون کی اعلیٰ ترین قدریں مغرب کے غیر اسلامی نظریات کے مقابل واضح کر سکتے ہیں۔

موضوعاتی اعتبار سے تصانیفِ رضا کی تین رُخ سے تقسیم کی جاسکتی ہے، اس بابت مولانا محمد احمد مصباحی رقم طراز ہیں: ''چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) کی تصنیفات تین اہم حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں جس کی روشنی میں ان کی تجدیدی، اصلاحی اور علمی خدمات کا اجمالی نقشہ سامنے آجاتا ہے:

(۱) اصلاح عقائد اور تصحیح نظریات

(۲) اصلاح اعمال اور تصحیح عادات

(۳) علمی افادات اور فنی تحقیقات (تقریب: تصانیف امام احمد رضا، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، ص۳)

امام احمد رضا کے علمی افادات اور فنی تحقیقات کا ایک اہم حصہ علوم عقلیہ، سائنس وفلسفہ کی اصلاح پر مشتمل ہے۔ بیسویں صدی میں مغرب کے غلبے کی عمومی وجہ سائنسی ترقیات سمجھی جاتی تھی، اس لیے آپ نے قرآنی پیغام عام کرنے کے لیے سائنس کے خلافِ اسلام نظریات کی اصلاح کی اور اس بابت متعدد تصانیف لکھیں۔ جن میں یہ فکر عطا کی کہ قرآن کی روشنی میں سائنس کو پرکھا جائے، سائنس کی

روشنی میں قرآن کو نہیں، نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون اس رُخ سے فرماتے ہیں:

’’امام احمد رضا کے نزدیک قرآن اور اسلام ہی میں کامل سچائیاں ہیں اور کسی بھی طرح ان کی تردید کی اجازت نہیں دی جاسکتی......اگر کبھی سائنس دانوں نے ایسا کیا بھی تو امام احمد رضا نے ان کے دلائل کو اسلامی دلائل سے رد کیا اور ان کے پرخچے اڑا دیے......اس طرح امام احمد رضا سائنس میں بھی عظیم تھے......‘‘ (امام احمد رضا کی عالمی اہمیت، طبع مالیگاؤں، ص ۸)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا مسلمانوں کے رشتے کو سائنس و حکمت سے جوڑ کر اس وقار کو بحال کرنا چاہتے تھے جو بغداد و قرطبہ کی تباہی کے بعد مسلمان کھو چکے تھے۔ اور جس فکر کی بنیاد قرآن مقدس، احادیثِ نبوی اور علماے اسلام کی تحقیقات علمیہ پر تھی۔ ماضی کا مطالعہ گرچہ تلخی بھی رکھتا ہے لیکن گزری صدی (۲۰/ ویں صدی) میں عالمِ اسلام بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کو اعلیٰ حضرت جیسی قیادت میسر آئی یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام و اکرام ہے۔ انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر جمیل قلندر کا یہ ریمارک قابلِ غور ہے:

’’تقسیم پاک و ہند سے پہلے ہندوستان میں علامہ امام احمد رضا خاں بریلوی دینی پلیٹ فارم پر غالباً وہ واحد شخصیت نمودار ہوئے، جنھوں نے نرے اسپیشلائزیشن کی روش سے ہٹ کر علوم و فنون کے بارے میں وہی انسائیکلوپیڈیائی، موسوعاتی، انٹرڈسپلینری اور ہولسٹک رویہ اپنایا جو مشرق کے قدیم سائنس دانوں، فلسفیوں، علما، فقہا، اور مؤرخین کا وطیرہ اور معمول رہا ہے۔‘‘ (معارف رضا سالنامہ ۲۰۰۳ء کراچی، ص ۸۵)

مجلّہ یادگارِ رضا میں امام احمد رضا کی سائنسی بصیرت پر متعدد مضامین شامل کیے گئے ہیں جن سے امام احمد رضا کے اسلامی سائنسی افکار کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے، مقالات کی فراہمی میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کا جزوی تعاون رہا، اس سلسلے میں ادارہ کے کارپردازان کے ہم ممنون ہیں۔

ایک عرصے سے مخالفین جھوٹے پروپیگنڈوں اور اتہامات کے سہارے فکرِ رضا سے اہلِ علم و دانش کو دور کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اس بابت ضروری معلوم ہوا کہ خالص علمی انداز میں ان کا جائزہ لے لیا جائے۔ اس ضمن میں چند مقالات شاملِ مجلّہ ہیں۔

فکر رضا کی اشاعت و توسیع مسلم امہ کے لیے وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اصحابِ قلم کو چاہیے کہ تصانیفِ رضا بالخصوص ’’فتاویٰ رضویہ‘‘ کا مطالعہ کریں اور قوم کی تعمیر و ترقی، تعلیمی و فکری رہنمائی کے لیے لائحۂ عمل ترتیب دیں اور ماضی کی شان دار اسلامی روایات سے حال کا رشتہ استوار کر کے یاسیت کے اندھیروں کو دور کریں۔

ہے ان کے عطر بوئے گریباں سے مست گل
گل سے چمن، چمن سے صبا اور صبا سے ہم

فکر رضا کے تعارف کے عصری تقاضے

مفتی ڈاکٹر ساحلؔ شہسرامی (علیگ)، بنگلور

یہ مقالہ مرکز برکات رضا ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، میرا روڈ ممبئی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے امام احمد رضا کانفرنس و سیمینار میں پیش کیا گیا۔ یہ سیمینار ۷/ جنوری ۲۰۱۲ء بمقام میرا روڈ نزد مسجد شمس صبح ۱۱/ بجے منعقد ہوا۔ اسی جگہ نماز ظہر کے بعد نعتیہ مشاعرہ اور نماز مغرب کے بعد حضرت تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری میاں دامت برکاتہم القدسیہ کی سرپرستی میں امام احمد رضا کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ (ساحلؔ)

امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا قادری قدس سرہٗ ایک عہد ساز عبقری تھے جن کی دینی، علمی خدمات اور روحانی فیوض و برکات آج ایک عالَم کو محیط ہیں۔ آپ کے وصال کو تقریباً ایک صدی ہونے کو ہے، لیکن جس طور اور جس سطح پر آپ کی دینی، علمی اور ملی خدمات کا عالمی سطح پر تعارف ہونا چاہیے، اب تک نہ ہو سکا۔ اس بے توجہی اور غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل کے کچھ واقعی اسباب بھی ہیں۔

امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا قادری قدس سرہٗ کا وصالِ مبارک ۲۵/ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ اس وقت کے سیاسی حالات کیا تھے؟ سبھی اہلِ علم پر روشن ہیں۔ خلافت اور ترکِ موالات کی تحریکیں زور پر تھیں۔ دنیا ابھی ابھی جنگِ عظیم اول کے صدمے سے دوچار ہوئی تھی۔ خلافتِ عثمانیہ کا سقوط، پھر قیامِ پاکستان کے نظریے کی پیش کش، انگریزوں سے نجات پانے کی کوششیں تیز تر ہو چکی تھیں۔ ۱۹۴۷ء میں ملکِ عزیز ہندوستان فرنگی سامراج کے جابرانہ تسلط سے آزاد ہوا اور اہالیانِ ہند نے ذرا چین کی سانس لی تو ملکی سطح پر فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ چل پڑا۔ ۱۹۶۴ء اور ۱۹۷۱ء میں پاکستان سے دو جنگیں ہوئیں جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے لیے اپنا وطن ہی بیگانہ سا لگنے لگا۔ اس طور سے دیکھا جائے تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصالِ مبارک کے بعد نصف صدی کا عرصہ بہت افراتفری اور سیاسی اَبتری کے ماحول میں گزرا جس میں مسلمانوں کے لیے خود اپنا وجود سنبھالنا مشکل تھا، کسی علمی اور فکری پروجیکٹ کی باضابطہ تشکیل کی فرصت کسے تھی۔ ایسے حالات میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے تلامذہ اور فیض یافتہ حضرات نے فکرِ رضا کے تحفظ اور ترویج کا جو فریضہ انجام

دیا، وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور ان کے آہنی عزم و حوصلے کا پتا دیتا ہے۔ اس ذیل میں حضرت مفتی اعظم شاہ مصطفےٰ رضا قادری نوری، حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، حضرت ملک العلما مولانا شاہ ظفر الدین قادری رضوی اور حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی قدست اسرارہم بہت ممتاز ہیں۔

وطنِ عزیز ہندوستان کی آزادی اور قیامِ پاکستان کے بعد ہندوستان کی بساطِ سیاست پر کانگریس پارٹی حکم راں رہی۔ اہلِ سُنّت کے مذہبی حریف طبقے ابتدا سے ہی کانگریس پارٹی کے دست و بازو رہے، اس لیے جب یہ پارٹی اقتدار میں آئی تو توقع کے عین مطابق اس کی سیاسی اور ملکی نوازشات بھی حریفانِ اہلِ سُنّت کے ساتھ رہیں اور آج بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے سیاسی اثر ورسوخ کو بہر طور استعمال کیا اہلِ سُنّت کو کسی سطح پر بھی زک پہنچانے سے نہیں چوکے۔ سیاسی پارٹیوں میں ان کی نمائندگی رہی۔ ملکی سطح کے جتنے تعلیمی اور رفاہی ادارے ملے، ان میں اپنے افراد کو خصوصی طور پر قابلِ توجہ سمجھا اور اہلِ سُنّت کو ان سے دور رکھنے کی بھرپور کوشش رہی۔ یونی ورسٹی، کالج اور اوقاف کے شعبوں کے معمولی سروے سے ان باتوں کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ جب عمومی سطح پر اہلِ سُنّت کے ساتھ ان کا یہ سلوک رہا تو وہ اعلیٰ حضرت کو کیسے بخش سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے فکرِ رضا کو محدود کرنے، مسلمانوں کے بھولے بھالے طبقے کو اعلیٰ حضرت سے وحشت زدہ کر کے دور رکھنے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے شفاف وجود پر الزام تراشیاں کرنے کا کوئی موقع، کوئی طریقہ ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ خیر ان سے کوئی گلہ نہیں کہ وہ غیر ٹھہرے۔ اس سیاسی اور ملکی پسِ منظر کے سرسری جائزے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نصف صدی کے اس طویل عرصے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے تعارف کا سلسلہ کیوں کم کم رہا۔

۱۹۷۰ء کے بعد سے ہندوستانی مسلمانوں کے حالات نسبتاً پُرسکون ہوئے تو اہلِ سُنّت نے سنبھالا لیا اور اس چالیس سال کے عرصے میں ہمہ جہت فروغ ہوا۔ اس عرصے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا تعارف بھی عالمی سطح پر کرانے کی قابلِ قدر کوشش کی گئی لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

آیے! اس سرسری جائزے کے بعد ان جہات پر غور کیا جائے جو ابھی تشنہ ہیں اور ان پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

❁

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے عالم گیر تعارف کے سلسلے میں سب سے پہلا اور اہم ترین کام یہ ہے کہ جملہ تصانیفِ رضا بالخصوص 'فتاویٰ رضویہ' اور 'کنز الایمان' کو بین الاقوامی سطح پر رائج

زبانوں میں ترجمہ کیا جائے۔ عربی ۵۲ مسلم ملکوں کی سرکاری زبان ہے جو پوری دنیا کا ایک چوتھائی حصہ ہے۔ سب سے پہلے عربی زبان میں تصانیفِ رضا بالخصوص فتاویٰ رضویہ اور کنز الایمان کو منتقل کیا جائے۔ انگریزی زبان تعلیم یافتہ مسلم طبقے میں بھی دوسری بڑی زبان ہے جو قریب قریب ہر ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ دوسرے مرحلے میں تصانیفِ رضا بالخصوص فتاویٰ رضویہ اور کنز الایمان کو سلیس انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ ان کے علاوہ فرانسیسی، جرمن، اسپینی اور سواحلی زبانیں بھی ایسے علاقوں میں رائج ہیں جہاں انگریزی زبان سے انسیت نہیں ہے اور وہاں مسلمانوں کی اچھی تعداد پائی جاتی ہے۔ اس لیے ان زبانوں میں بھی تصانیفِ رضا کے ترجمے کا منصوبہ بنایا جائے۔ اس ذیل میں فرانسیسی زبان خاص کر توجہ کے قابل ہے، کیوں کہ اس کے اثرات جدید عربی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان زبانوں میں ترجمہ کرنے کے لیے ماہر اور تجربہ کار افراد کا انتخاب کیا جائے۔

اس ذیل میں مختلف حضرات نے انفرادی سطح پر کوششیں بھی فرمائی ہیں۔ مرشد گرامی حضرت تاج الشریعہ دامت برکاتہم نے مختلف رسائلِ اعلیٰ حضرت کی تعریب فرمائی اور 'فتاویٰ رضویہ' کی تعریب کا سلسلہ جاری ہے۔ خدا کرے یہ مرحلہ جلد بہ حسن و خوبی تکمیل کو پہنچے۔ جامعہ ازہر مصر سے وابستہ افراد نے بھی عربی زبان میں فکرِ رضا کا تعارف اور رسائلِ اعلیٰ حضرت کی تعریب کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے۔ آمین۔ مختلف حضرات نے رسائلِ اعلیٰ حضرت کا انگریزی زبان میں بھی ترجمہ کیا ہے۔ ان میں مولانا عبد الہادی رضوی مدظلہ ساؤتھ افریقہ کی کوششیں نسبتاً زیادہ منظم، منضبط اور مسلسل ہیں۔ رضا اکیڈمی مانچسٹر نے بھی اعلیٰ حضرت کے متعدد رسائل انگریزی میں ترجمہ کرائے ہیں۔ لیکن ان کوششوں کو مزید مستحکم اور منضبط کرنے کی ضرورت ہے۔

❁

تدوین، ترجمہ اور ترتیب کے بعد اس کی اشاعت کا مرحلہ ہوتا ہے۔ تصانیفِ رضا کی اشاعت بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ خوب ہو رہی ہے۔ اس ذیل میں رضا اکیڈمی ممبئی نے بہت عمدہ کردار ادا کیا ہے۔ اس کے علاوہ المجمع الاسلامی مبارک پور اور مرکزی مجلس رضا لاہور بھی بہت ممتاز ہیں۔ لیکن تصانیفِ رضا کو تسہیل وتخریج کے ساتھ مزید پھیلانے کی ضرورت ہے۔ عرسِ اعلیٰ حضرت کے علاوہ بھی تصانیفِ رضا کا مکمل سیٹ دست یاب ہونا چاہیے، جب کہ بریلی شریف میں بھی عام دنوں میں دست یابی مشکل ہوتی ہے۔ عرسِ اعلیٰ حضرت میں خاص طور سے تصانیفِ رضا کی موضوعاتی اور فنی درجہ بندی کر کے ان کی نمائش [Exhibition] کا اہتمام ہونا چاہیے، تاکہ کوئی اسکالر آئے تو اسے بیک نگاہ اندازہ

ہو سکے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کن کن فنون پر کتنی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔اسی طرح فنی اور موضوعاتی درجہ بندی کر کے تصانیفِ رضا کے مجموعے شائع کیے جائیں، جیسے اعلیٰ حضرت کے رسائل تصوف ،رسائل عقائد،رسائل فلکیات،رسائل توقیت،رسائل ریاضی،رسائل فلسفہ،رسائل جفر، معاشرتی رسائل،رسائل سائنس وغیرہ۔اس طرز پر رسائل اعلیٰ حضرت کی اشاعت سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوں گی اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی جامع ترین شخصیت سب کے سامنے نکھر کر آجائے گی۔

ملکی سطح پر اور صوبائی سطح پر بھی بہت سے کتابی میلے لگا کرتے ہیں۔یہ نیشنل اور انٹرنیشنل بُک فیئرس عام طور سے اہلِ سُنّت کے کسی کتب خانے کی نمائندگی سے خالی ہوتے ہیں، جب کہ بد مذہبوں کی ہر ٹولی اپنے بُک اسٹال سے اپنی گم رہی کی اشاعت میں سرگرم نظر آتی ہے۔ضرورت ہے کہ اہلِ سنّت کے کتب خانے بھی ان کتابی میلوں میں شرکت کریں اور علماے اہلِ سُنّت بالخصوص اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کتابیں عوام کے سامنے پیش کریں۔ان کتابی میلوں میں شرکت کے چارجیز کچھ زیادہ ضرور ہوتے ہیں لیکن ان سے حاصل ہونے والے فوائد زیادہ قیمتی اور سود مند ہیں۔رضا اکیڈمی ممبئی اس سمت توجہ کر سکتی ہے۔

آج کا زمانہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے۔ بھاگتی دوڑتی زندگی میں مطبوعہ کتابوں کا بوجھ سنبھالنے کا حوصلہ کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔اس لیے ضرورت ہے کہ اس سمت بھی پیش رفت کی جائے اور تصانیفِ رضا کو ڈیجیٹلائز کر کے آن لائن فراہم کیا جائے، تاکہ امت مسلمہ کا ہر طبقہ حسبِ سہولت فکرِ رضا سے متعارف اور مستفید ہو سکے۔اس سلسلے میں بھی پیش رفت ہوئی ہے۔

www.yanabi.com

www.nafseislam.com

www.trueislam.com

وغیرہ جیسی سُنّی ویب سائٹس دست یاب ہیں جن پر کثیر سُنّی لٹریچرز ڈیجیٹل صورت میں موجود ہیں۔لیکن ایک خاص ویب سائٹ بنائی جائے جس پر صرف اعلیٰ حضرت کی تصانیف اور اعلیٰ حضرت پر لکھی گئی کتابوں کی سافٹ کاپی دست یاب ہو۔میرے خیال میں www.razaebook.com کے عنوان سے ایک ویب سائٹ بنائی جائے اور اس پر سارا رضویاتی لٹریچر Upload کر دیا جائے۔

امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ تھے۔اہلِ نظر کہتے ہیں کہ ایسی جامع کمالات شخصیت ماضی کی چھ سات صدیوں میں نہیں پیدا ہوئی۔آپ علم لدنی کا مظہر تھے اور یہ کوئی عقیدت کا غلو نہیں بلکہ اظہارِ واقعہ ہے۔۵۵ر سے زائد علوم اور علم کی ضرب دیتی شاخوں کے تناظر میں ۱۱۰ر سے زائد علوم پر حاوی شخصیت کے تعارف کے لیے کوئی ایک فرد کافی نہیں بلکہ ماہرین کا ایک بورڈ ہونا چاہیے،تب جا کر ایسی قاموسی طرز کی ذاتِ گرامی کا تعارف ممکن ہو سکے گا اور پھر بھی اہلِ نظر اعتراف کرتے نظر آئیں گے کہ ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ جیسی بلند قامت عبقری شخصیت کی اب تک کوئی جامع سوانح منظر عام پر نہ آسکی۔مختلف اصحاب فن وکمال نے اس چمن زار فکر ومعرفت کی آئینہ بندی کرنے کی کوشش فرمائی اور متعدد سوانحی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ان میں حضرت ملک العلما کی ’حیاتِ اعلیٰ حضرت‘، علامہ بدرالدین رضوی کی ’سوانح اعلیٰ حضرت‘ اور پروفیسر محمد مسعود احمد کی ’حیات امام احمد رضا‘ وغیرہ عمدہ اور مقبول کاوشیں ہیں لیکن اس پہلودار شخصیت کی بہت سی تہیں اب بھی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔اس وسیع الجہات ذاتِ گرامی کے تعارف کے لیے قاموسی طرز کی سوانح چاہیے۔پروفیسر محمد مسعود احمد نے ۱۵ر جلدوں میں امام موصوف کا سوانحی خاکہ پیش فرمایا ہے۔اس پر نظر ثانی کر کے اسے اور جامع بنایا جائے اور اس خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے ماہرین کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے۔کام کو سمیٹنے کے لیے پہلے سے شائع نمبرات و رسائل میں سے مفید اور اہم مضامین کا انتخاب کیا جائے اور انھیں متعدد مجوزہ عنوانات کے تحت سیٹ کیا جائے۔جو عنوان تشنہ ہو اور اس پر مطلب کے مضامین دست یاب نہ ہوں،ان پر ماہرین سے مضامین لکھوائے جائیں۔اس طور سے یہ علمی پروجیکٹ کم مدت میں اور بہتر طور سے پایۂ تکمیل کو پہنچے گا اور اپنے طرز کا یہ منفرد سوانحی انسائیکلو پیڈیا ہوگا۔

ہندوستان میں میری معلومات کی حد تک اٹھارہ سینٹرل یونی ورسٹیاں ہیں۔ہر ایک میں شعبۂ اردو ،عربی،اسلامک اسٹڈیز موجود ہے۔ان کی سینٹرل لائبریریوں میں ’’امام احمد رضا سیل[Cell]‘‘ قائم کیا جائے۔اس سلسلے میں وفد کی صورت میں ذمہ دارانِ شعبہ اور سربراہانِ جامعات سے ملنا ہوگا۔انھیں امام احمد رضا کی کثیر الجہات شخصیت سے علمی طور پر متعارف کرانا ہوگا اور پھر انھیں

اس بات پر آمادہ کرنا ہوگا کہ وہ اپنی لائبریریوں میں امام احمد رضا سیل قائم کریں، ہم لوگ بھی ہر ممکن تعاون دیں گے۔ اجازت ملنے کے بعد وہاں امام احمد رضا پر دست یاب لٹریچر یونی ورسٹی کے خرچ سے فراہم کیا جائے۔ مطبوعات، مطبوعات کی صورت میں اور مخطوطات کی عکسی کاپی مہیا کرنی ہوگی۔ اس اقدام سے مطالعۂ رضویات کو بہت وسعت ملے گی۔ سینٹرل یونی ورسٹیوں میں کام یابی ملنے کے بعد ہر صوبے کے دارالحکومت میں قائم صوبائی طرز کی یونی ورسٹی میں بھی اس کی کوشش کی جائے۔

مخصوص مرکزی یونی ورسٹیوں میں 'امام احمد رضا ریسرچ اسکالرشپ' جاری کی جائے جس کی رقم کم از کم ۵۰۰۰ روپے ماہانہ ہو۔ یہ رقم اس اسکالر کو فراہم کی جائے جو امام احمد رضا کے افکار کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائے۔ اس سلسلے میں یونی ورسٹیاں آسانی سے آمادہ ہو جائیں گی۔ اس رقم کی فراہمی کے سلسلے میں ہر سال کوشش کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک بار ایک مخصوص رقم بینک میں مختص کرنی ہوگی اور پھر بینک ہر سال یہ اسکالرشپ اپنی طرف سے ریسرچ اسکالر کو فراہم کرتا رہے گا۔ اردو، عربی، اسلامک اسٹڈیز، پولیٹیکل سائنس اور ہسٹری ہر شعبے کے طلبا کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے متعلقہ افکار پر ریسرچ کی دعوت دی جائے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ عربی، فارسی، اردو کے صاحبِ طرز ادیب اور نظم نگار تھے۔ ان کے نثری شہ پارے اور نظمی شاہ کار آج ہر صاحبِ ذوق کو دعوتِ نظارہ دیتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اسکول، کالج اور یونی ورسٹی کی سطح پر نصابی کتابوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کی عربی، فارسی، اردو نثر و نظم کے منتخبات شامل نصاب کیے جائیں اور ساتھ ہی امام احمد رضا کا تعارف بھی، تا کہ طلبا اور اساتذہ بہر صورت اعلیٰ حضرت کے مطالعے میں مصروف ہوں۔ یہ کام مشکل ضرور ہے کیوں کہ نصاب سازی کے شعبے پر عام طور سے حریفانِ اہلِ سُنّت کا تسلّط ہے۔ لیکن اگر ہم بھی خود کو اس کارواں میں شامل کرنے کی کوشش کریں تو یہ کوئی مشکل سی مشکل نہیں ہے۔ احقر نے کرناٹک میں مڈل کلاس کی فارسی نصابی کتاب میں اعلیٰ حضرت کی ایک فارسی نعت شامل کرانے کی کوشش کی ہے جو بعض احباب کے تعاون سے امید ہے شامل ہوگی۔ کان پور کے بعض احبابِ اہلِ سُنّت نے الگ سے کتابی شکل میں امام احمد رضا کے منتخبات کو طبع کرا کے شاملِ نصاب کرنے کی کوشش فرمائی لیکن وہ بار آور نہ ہوئی۔ اس کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے۔ ایک مستقل کتاب کو شاملِ نصاب کرنا بہت مشکل ہے اور نسبتاً کم

مفید بھی، لیکن رائج کتابوں میں چند صفحات اعلیٰ حضرت کے لیے خاص کرانا نسبتاً کم مشکل اور زیادہ مفید ہے۔ اس لیے اس کے لیے ہر صوبے کی سطح پر کوشش کی جائے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ جامع سلاسلِ صوفیہ تھے۔ انھیں قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی سبھی سلسلے کی اجازت و خلافت حاصل تھی۔ برصغیر کی ایسی کوئی سُنّی خانقاہ نہیں تھی جہاں سے اعلیٰ حضرت کے رابطے نہ رہے ہوں اور ایسی تمام خانقاہوں کا فکری اور عملی تعاون بھی اعلیٰ حضرت کو حاصل تھا۔ خانقاہی دنیا کے ایک اہم فرد کا یہ جملہ آج بھی تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے:

''جماعتِ صوفیہ انھیں (اعلیٰ حضرت کو) اپنا صف شکن بہادر مردِ مجاہد سمجھتی ہے۔'' (خواجہ حسن نظامی، دہلی)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ کا یہ پہلو تشنۂ تعارف ہے۔ اگر امام احمد رضا کا اس جہت سے ایک جامع تعارف پیش کر دیا جائے تو اس غلط فہمی کے ازالے میں بہت مدد ملے گی کہ خانقاہیں الگ ہیں اور امام احمد رضا کے ماننے والے الگ۔ اگر کوئی صاحبِ ذوق اس عنوان کو اپنا موضوعِ تحقیق بنا کر پورے ذوق وشوق کے ساتھ یہ علمی پروجیکٹ مکمل کر دے تو بڑی علمی اور دینی خدمت ہوگی۔ اس کا ممکنہ عنوان یہ ہو سکتا ہے:

''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کے سُنّی خانقاہوں سے وسیع روابط''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے اپنے دور کے بد مذہبوں کا پوری قوت کے ساتھ تعاقب کیا اور اپنی مجاہدانہ کاوشوں سے بد مذہبی کے سیلاب پر بند باندھنے کی کام یاب کوشش فرمائی۔ وہ اس میدان میں سب سے ممتاز ضرور تھے لیکن تنہا نہ تھے۔ ہر علاقے میں دردمند اور مخلص علمائے امت اور مشائخ ملت نے تحریری اور تقریری انداز میں بد مذہبوں کا رد فرمایا اور اہلِ اسلام کو ان کے مسموم اثرات سے بچانے کی کوشش فرمائی۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی اس مجاہدانہ کوشش کو بہت منفی انداز میں لیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں بعض خانقاہی طبقے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ''صوفیائے کرام نے ہم آہنگی اور بھائی چارگی کا انداز اپنایا اور ان کے یہاں ہر طبقے کے لوگ آتے جاتے تھے۔ کسی کا دل دکھانا اور رد و تنقید کرنا ان کا وطیرہ نہیں۔''

اس مغالطے کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خود حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

اجمعین کے حوالے سے یہ بات واضح کردی جائے کہ حضرات صوفیا نے اپنے اپنے دور میں بد مذہبوں کا کس شدّ ومد کے ساتھ رد فرمایا اور اپنے عقیدے میں کس درجہ متصلب تھے۔ اگر کوئی صاحب ’’حضرات صوفیاے کرام اور رد بد مذہباں‘‘ کے عنوان سے ایک علمی پروجیکٹ تیار کردیں اور اس میں اخیر میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی اس باب میں مجاہدانہ کاوشوں کو تفصیل سے اور مثبت انداز میں پیش کریں تو یہ رضویات کی بھی بڑی خدمت ہوگی اور بعض خانقاہی طبقے میں پھیلی ہوئی یا پھیلائی گئی اس غلط فہمی کا مدلل انداز میں ازالہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت، حضرات صوفیاے کرام کی روش سے قدرے الگ ہیں۔ ذرا سی محنت اور توجہ سے اس موضوع پر خاصا مواد ہاتھ آجائے گا۔

۞

فکرِ رضا کے تعارف کے لیے ہر علاقے کی اس نمایاں شخصیت کو وسیلہ بنایا جائے جن کے فکری رابطے امام احمد رضا سے رہے ہوں اور انھوں نے تبلیغ سُنیت اور ردّ بد مذہباں میں نمایاں کردار ادا کیا ہو۔ کیوں کہ اپنے گھر کے مسلّم بزرگوں کی بات سے انکار کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ اس شخصیت کے افکار ونظریات کی پیش کش کے بعد یہ بات روشن کی جائے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے فلاں حضرت کی طرح اس میدان میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے اور فلاں بزرگ نے بھی اعلیٰ حضرت کو اہلِ سُنّت کا قائد، رہ نما اور بزرگ تسلیم کیا ہے۔ ناچیز نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے تعارف کے لیے اس نسخے کو کئی جگہ آزمایا اور بفضلہٖ تعالیٰ تیر بہ ہدف پایا اور بڑے مفید اور مثبت نتائج برآمد ہوئے۔

۞

ہر علاقے کی سُنّی خانقاہوں سے رابطے مزید مستحکم اور وسیع کیے جائیں اور ان میں جو ناواقف ہوں یا بد مذہبی کے معاملات ان کے سامنے مکمل طور سے واضح نہ ہوں، ان سے مل کر افہام وتفہیم کی راہیں نکالی جائیں اور رفتہ رفتہ ان کے سامنے مذہبی شناخت، ہمارا بد مذہبوں سے اعتقادی اختلاف کیا ہے؟ ہمیں ان سے دور کیوں رہنا چاہیے؟ یہ ساری باتیں واضح کی جائیں۔ بہت سے افراد ہیں جو اپنی ناواقفی کی بدولت یہ معاملات واضح طور پر سمجھ نہیں پاتے اور غیروں کی سازشوں کا آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے بھی اس نہج پر کام کیا ہے اور بہت سے ذی علم خانوادوں کو وہابیت کی جملہ شاخوں کے بارے میں مدلل انداز میں باور کرایا ہے۔ حضرت شیر بیشۂ اہلِ سُنّت مولانا حشمت علی قادری رضوی کی ’الصوارم الہندیہ‘ اس کی روشن مثال ہے۔ مثبت اور نرم انداز میں افہام وتفہیم سے بڑے دوررس نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ میں اس کی صرف دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

مفتی اعظم دہلی حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی دہلوی علیہ الرحمہ وہابیہ دیابنہ کے بارے میں کوئی واضح موقف نہیں رکھتے تھے۔ فتاویٰ مظہری میں اولین زمانے کے بعض فتاویٰ اس طرز کے مل جائیں گے۔ لیکن ہمارے اکابر نے افہام وتفہیم کی راہ نکالی اور بالآخر ’الصوارم الہندیہ‘ میں ’حسام الحرمین‘ پر حضرت نے مدلل اور واضح تصدیقی کلمات درج فرمائے۔ انھیں کے صاحب زادے ہیں حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری نقشبندی جن کے لیے ۱۹۷۰ء سے پہلے اعلیٰ حضرت صرف ’’مولوی احمد رضا مرحوم‘‘ تھے، لیکن حضرت حکیم محمد موسیٰ چشتی امرتسری علیہ الرحمہ کے حکیمانہ طرزِ تفہیم اور انھیں رابطے میں لے کر اعلیٰ حضرت سے متعارف کرانے کی بدولت آج حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ ’ماہرِ رضویات‘ کہلاتے ہیں۔

الہ آباد میں حضرت علامہ عبد الکافی نقشبندی علیہ الرحمہ کے گرد وہابیوں نے گھیرا ڈالنے کی کوشش کی اور انھیں اپنے خانے میں شمار کرنا شروع کیا۔ اس سلسلے میں نارہ کے ایک دیوبندی مولوی نے ’’السلک الشافی در مسلک عبد الکافی‘‘ نامی کتاب لکھی، جس میں یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت علامہ عبد الکافی علیہ الرحمہ وہابیوں سے نظریاتی طور پر متفق ہیں۔ اس وقت حضرت مجاہد ملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن عباسی اڑیسوی علیہ الرحمہ نے حضرت علامہ عبد الکافی علیہ الرحمہ سے اس سلسلے میں واضح فتاویٰ حاصل کیے اور انھیں شائع کیا، جس کی بدولت وہابیوں کی سازش ناکام ہوئی۔

وہابیہ کی جملہ شاخیں، خانقاہوں پر گہری نظر رکھتی ہیں اور پوری کوشش کرتی ہیں کہ ان کا کوئی نہ کوئی فرد ہمارے ہتھے چڑھ جائے یا ہمارے کسی دار العلوم کا طالبِ علم بن جائے یا کسی وہابی خاندان سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جائے۔ اس لیے ان خانقاہوں کے ایمانی تحفظ کے لیے ہمیں بھی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے جو ہمارے مشائخ اہلِ سُنّت کی یادگار ہیں۔

۞

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ سے جتنی خانقاہیں مکمل طور سے مانوس اور جتنے سلسلے پورے طور سے Associate ہیں، ان کا پھیلاؤ بھی فروغِ رضویات کا اہم ذریعہ ہے۔ ابھی بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں اعلیٰ حضرت سے مکمل مانوس سلاسل نہیں پہنچے یا پہنچے لیکن ان کا پھیلاؤ نہیں ہے۔ ایسے علاقوں کی سمت توجہ کی جائے۔ یہ دین کی بھی خدمت ہے، تحفظ ایمان کی بھی کاوش ہے اور فروغِ رضویات کی کوشش بھی ہے۔ جہاں ہمارے مشائخ اہلِ سُنّت کے مبارک قدم نہیں پہنچتے، وہاں حریفانِ اہلِ سُنّت اپنے قدم جمانے کی کوشش کرتے ہیں۔

عرسِ اعلیٰ حضرت میں بریلی شریف کے اندر ایک بڑے ہال میں 'رضا ایکزیبیشن' کا اہتمام کیا جائے جس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کی جملہ تصانیف فنی اور موضوعاتی اعتبار سے درجہ بندی کر کے نمائش کے لیے رکھی جائیں۔ رضویات پر جہاں جہاں کام ہوا ہے، ان افراد کی تصانیف، ان اداروں کی تصاویر بھی فراہم کی جائیں۔ اعلیٰ حضرت اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر تبرکات و آثار بھی اس ہال میں زیارت کے لیے پیش کیے جائیں۔ یہ بھی اپنوں اور بیگانوں سب کے لیے تعارفِ رضا کا ایک پُرکشش ذریعہ ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کی فکری اور علمی خدمات انجام دینے والے حضرات داد و دہش اور صلہ و انعام سے بے نیاز ہو کر محض لوجہ اللہ کام کرتے ہیں اور اپنے امام اہلِ سُنّت عاشق ماہِ رسالت کے حضور نذرِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ لیکن حوصلہ افزائی سے جذبے اور جِلا پاتے ہیں، اس لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر ٹھوس علمی اور تعارفی خدمات انجام دینے والے افراد اور اداروں کی بہر طور حوصلہ افزائی کی جائے اور ہر ممکن تعاون سے نوازا جائے۔ بعض احباب سرد مہری کا شکوہ کرتے ہیں، ان کا یہ شکوہ دور ہونا چاہیے۔ ہمارا مشن تو بس یہ ہونا چاہئے کہ۔

تم نے جو شمع جلائی ہے نہ بجھنے پائے
اب تو لے دے کے یہی کام ہمارا ٹھہرا

فیضِ رضا پائندہ و تابندہ رہے۔ آمین! اعظم چشتی کے اس دعائیہ شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

دشت بھی آباد کر ڈالے ترے فیضان نے
میرے دل پر بھی برس اے ابرِ بارانِ رضا

☆☆☆

الحاج محمد سعید نوری کی خدمات کو ہدیۂ تہنیت و تبریک

علمی و تحقیقی مجلّہ سال نامہ ''یادگارِ رضا'' ۲۰۱۴ء کی اشاعت نیز دینی و اشاعتی خدمات پر رضا اکیڈمی کے سربراہ الحاج محمد سعید نوری صاحب کو مبارک باد نیز ہدیۂ تہنیت و تبریک پیش کرتے ہیں۔

منجانب: محمد میاں مالیگ، نیاز احمد مالیگ، مولانا محمد ارشد مصباحی، ابو زہرہ رضوی (یو کے)

مصطفائے ذاتِ یکتا آپ ہیں

تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم قاضی القضاۃ فی الہند علامہ اختر رضا قادری ازہری مدظلہ العالی

مصطفائے ذاتِ یکتا آپ ہیں
یک نے جس کو یک بنایا آپ ہیں

آپ جیسا کوئی ہو سکتا نہیں
اپنی ہر خوبی میں تنہا آپ ہیں

آب و گل میں نور کی پہلی کرن
جانِ آدم جانِ حوا آپ ہیں

حسنِ اول کی نمودِ اولیں
بزم آخر کا اُجالا آپ ہیں

لامکاں تک جس کی پھیلی روشنی
وہ چراغ عالم آرا آپ ہیں

ہے نمک جس کا خمیرِ حسن میں
وہ ملیح حسن آرا آپ ہیں

زیب و زین خاک وفخر خاکیاں
زینتِ عرش معلیٰ آپ ہیں

نازش عرش و وقارِ عرشیاں
صاحب قوسین وادنیٰ آپ ہیں

آپ کی طلعت خدا کا آئینہ
جس میں چمکے حق کا جلوہ آپ ہیں

آپ کی رویت ہے دیدارِ خدا
جلوہ گاہِ حق تعالیٰ آپ ہیں

آپ کو رب نے کیا اپنا حبیب
ساری خلقت کا خلاصہ آپ ہیں

آپ کی خاطر بنائے دوجہاں
اپنی خاطر جو بنایا آپ ہیں

جاں توئی جاناں قرارِ جاں توئی
جانِ جاں جانِ مسیحا آپ ہیں

پیکرِ ہر شے میں جاں بن کر نہاں
پردوں پردوں میں ہویدا آپ ہیں

آپ سے خود آپ کا سائل ہوں میں
جانِ جاں میری تمنا آپ ہیں

آپ کی طلعت کو دیکھا جان دی
قبر میں پہنچا تو دیکھا آپ ہیں

بردرت آمد گدا بہرِ سوال
ہو بھلا اختر کا داتا آپ ہیں

نعت کی صنفی حیثیت

پروفیسر فاروق احمد صدیقی
سابق صدر شعبۂ اردو و ڈین فیکلٹی آف آرٹس
ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر یونی ورسٹی، مظفر پور، بہار

سچ یہ ہے اردو کی شعری اصناف میں نعت کی صنفی اور ادبی حیثیت اب تک واضح طور پر متعین نہیں ہو سکی ہے۔ ہر دور کے اکابرینِ شعر و ادب نے اس کی عظمت تو تسلیم کی ہے مگر اس کو غزل، مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ کی طرح ادبی حیثیت عطا کرنے میں کشادہ قلبی کا ثبوت فراہم نہیں کیا ہے۔ ویسے گاہے گاہے اس طرح کے اعترافات ملتے ہیں:

’’نعت کی راہ شاعری کی سخت ترین راہوں میں سے ہے اور تمام اصنافِ شاعری میں سے مشکل ہے بقول عرفی ع آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم ‘‘ [1]

ڈاکٹر صابر سنبھلی لکھتے ہیں:

’’نعت گوئی اپنے آپ میں ایک مکمل صنف ہے اور اس کا میدان بھی وسیع ہے لیکن اردو تنقید نگاروں نے جتنی بے اعتنائی اس صنف کی طرف سے برتی ہے وہ قابلِ افسوس ہے۔ مانا کہ وہ ایک مخصوص حلقے کی چیز ہے لیکن مرثیہ جس حلقہ سے تعلق رکھتا ہے نعت کا حلقہ اس کے مقابلہ میں وسیع تر ہے۔‘‘ [2]

پروفیسر ابوالخیر کشفی کی صدائے احتجاج کچھ زیادہ ہی پُر زور اور توانا ہے:

’’کیا نعت گوئی کا رشتہ ہمارے جذبۂ عقیدت سے ہے یا نعت ایک ادبی صنف بھی ہے اور اگر یہ ادبی صنف ہے تو اس کی شرائط اور تقاضے کیا ہیں اور نعت گو شاعر کو شاعری کی تاریخ میں جگہ ملے گی یا محض اسے ایک گوشہ یعنی نعت کا شاعر قرار دیا جائے گا۔‘‘ [3]

اب تک کی تازہ ترین صورتِ حال وہی ہے جس کی کشفی صاحب نے اقتباسِ بالا کے آخری جملوں میں وضاحت کی ہے۔ یعنی نعت گو شاعر کو شاعری کی تاریخ میں جگہ دینے سے ہمارے ذمہ دارانِ شعر و ادب کترا رہے ہیں یا شرما رہے ہیں۔ اردو کے ممتاز و معتبر اہلِ قلم ڈاکٹر شجاعت سندیلوی ہمارے اس احساس میں برابر کے شریک ہیں وہ لکھتے ہیں:

’’اردو زبان و ادب کی تاریخ میں یہ فروگزاشت انتہائی افسوس ناک ہے کہ نعت کو ادبی اور فنی حیثیت سے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ نہ تو ادب کے مورخین نے اس کی طرف توجہ کی نہ اس کے متعلق شعوری طور پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔‘‘ [4]

سندیلوی صاحب نے جس فروگزاشت کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ مولانا حالؔی نے اپنے شہرۂ آفاق ’’مقدمۂ شاعری‘‘ میں غزل، مثنوی اور قصیدے کی صنفی حیثیت پر کھل کر گفتگو کی ہے۔ ان کے معائب و نقائص کی نشان دہی بھی کی ہے اور کچھ اصلاحی مشورے بھی دیے ہیں لیکن نعت کا ضمناً تذکرہ کرنا بھی انھوں نے گوارہ نہیں کیا جب کہ خود بھی کچھ نعتیں کہی ہیں۔

اسی طرح اردو کے ممتاز نقاد کلیم الدین احمد نے اپنی ہنگامہ خیز تصنیف ’’اردو شاعری پر اک نظر‘‘ کے دونوں حصوں میں تمام اصنافِ سخن کا ناقدانہ تجزیہ پیش کیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ہجویہ شاعری اور اس طرح کی دوسری خرافاتی شاعری پر بھی اظہارِ خیال فرمایا ہے لیکن نعت کا تذکرہ کرنے سے شعوری طور پر گُریز کیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اس حمام میں ان کے تمام معاصر ناقدین بے لباس ہیں اور بعد والوں کو بھی ان ہی لوگوں کی تقلیدِ جامد میں اپنی ادبی زندگی کی خیریت نظر آئی۔

ایسا کیوں ہوا اس کی تہہ میں جانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ اس کی ہیئت کے تعلق سے سوال اٹھاتے ہیں کہ غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ اور رباعی کی اپنی ایک ہیئتی شناخت ہے مگر نعت کی کون سی ہیئت ہے؟ اس کا ایک سامنے کا اور سیدھا سا جواب یہ ہے کہ قسامِ ازل نے نعت کو کسی مخصوص ہیئت کا پابند ہونے کے بجائے تمام شعری اصناف کی ہیئتوں میں ڈھل جانے کی فطری صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزل، مثنوی، قصیدہ اور رباعی کی ہیئتوں میں شروع ہی سے یہ لکھی جا رہی ہے۔ لیکن غزل کا روپ رنگ اس کو کچھ زیادہ پسند آیا ہے اس لیے اس ہیئت میں نعتوں کا وافر ادبی سرمایہ ملتا ہے۔ پھر یہ کہ نعت کا موضوع ممدوحِ کائنات رحمۃ للعالمین حضور سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ قدسی صفات ہے۔ جب وہ عالمین کی رحمت ہیں تو ان کی مدح گستری کے لیے تمام شعری اصناف کی آغوش وا ہونا ہی چاہیے۔ اصل چیز ادبی محاسن اور شعری لطافت ہے جو کسی فن پارے کو حیاتِ دوام عطا کرتی ہے اور اس میں دل کشی و رعنائی کے رنگ بھرتی ہے۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو اردو کے نعتیہ سرمایہ میں فکر و فن کے گلشن کھِلتے نظر آتے ہیں۔ عالم یہ ہے کہ

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احسان اٹھائیے

اس پر دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ نعتیہ شاعری میں چوں کہ عقیدت کی فراوانی ہوتی ہے اور جس شاعری میں عقیدہ وعقیدت کا عمل دخل ہو وہاں شعری حسن کا برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔نتیجہ کے طور پر شاعری فکرِ منظوم کا سپاٹ نمونہ بن کر رہ جاتی ہے۔میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ: ع

تلوار کاٹتی ہے مگر ہاتھ چاہیے

میں ذیل میں اردو کے کچھ مشاہیر نعت گو شاعروں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں پوری ادبی دیانت داری کے ساتھ ان کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو نگاہِ نقد ونظر مایوس نہیں ہوگی اور قدم قدم پر اس کو ادبی اور شعری جمال وجلال کے نظر افروز جلوے اور چشم کشا مناظر نظر آئیں گے وہ شعرا ہیں حضرت رضاؔ بریلوی، علامہ حسنؔ بریلوی، حضرت محسنؔ کاکوروی، غلام امام شہیدؔ، حضرت بیدمؔ وارثی، حمید صدیقی لکھنوی، مولانا ضیاء القادری بدایونی، بیکلؔ اتساہی، مولانا شبنمؔ کمالی، پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ، شکیلؔ بدایونی، قتیلؔ شفائی، رازؔ الہ آبادی، اجملؔ سلطان پوری، ڈاکٹر عبدالمنان طرزیؔ، حفیظ تائبؔ وغیرہ۔ یہاں ناموں کی گنتی مقصود نہیں ورنہ فہرست اور طویل ہو سکتی ہے۔ان تمام شاعروں میں فکرِ بلند اور فنِ لطیف کے اعتبار سے سب سے عمدہ اور معیاری کلام حضرت رضا بریلوی کا ہے، جو مندرجہ بالا اعتراض پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے بطورِ تحدیثِ نعمت فرماتے ہیں۔

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضاؔ کہ یوں

نعتیہ شاعری کی طرف سے بے التفاتی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے ناقدین کی اکثریت کا دینی مطالعہ محض سرسری اور سطحی ہے۔نعت کے تمام مضامین قرآن وحدیث اور تاریخ وسِیَر کی کتابوں سے ماخوذ ہوتے ہیں اور یہ وہ راستہ ہے جس میں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا۔اس لیے ناقدین شعر وادب نے اس بحرِ ذخار میں غواصی کا خطرہ مول لینے سے بہتر یہ سمجھا کہ عافیت ساحل میں ہے۔اس سلسلہ میں کچھ ٹھوس مثالیں فراہم کی جارہی ہیں تاکہ دعویٰ بلا دلیل نہ رہ جائے۔ایسا دیکھا گیا ہے کہ کبھی کبھی شعر فہمی کی غلطی ناقدین کو غلط نتائج پر پہنچا دیتی ہے۔یعنی شعر تو قرآن واحادیث کی روشنی میں بالکل ٹھوکا بجایا ہوتا ہے لیکن قاری یا ناقد کا علم وفہم ہی ناقص ومحدود ہوتا ہے۔اس لیے وہ شعر کی غلط تاویل وتشریح کر کے شاعر کو طنز وطعن کا نشانہ بنا دیتا ہے۔اس سلسلے میں جناب ظہیر غازی پوری کی یہ رائے ملاحظہ ہو:

''مگر نعتیہ شعر وادب کا مطالعہ کرتے وقت اکثر جگہوں پر نظر رکتی ہے بعض افکار کو ذہن

قبول نہیں کرتا۔کہیں کہیں اپنی کم علمی یا بے بساطی کا بھی گمان گزرتا ہے۔'' ۵

اس اقتباس کا آخری ٹکڑا بڑا اہم اور بڑے دیانت دارانہ احساس پر مبنی ہے۔واقعی بعض لوگ اپنے مطالعے کی محدودیت اور نارسائی کا اعتراف کر لینے کے بجائے جوشِ انتقاد میں احتیاط کی حدوں سے گزر جاتے ہیں۔اس مقام پر شمسؔ بریلوی کی یہ دل چسپ تحریر ملاحظہ ہو:

''عوام کے ذہن جب کسی ایسی عالمانہ تلمیح کی تصریح وتشریح سے قاصر رہتے ہیں تو اپنے علمی افلاس کو چھپانے کے لیے کہہ اٹھتے ہیں کہ جناب شعر بے معنی ہے۔خود میرے ساتھ ایک ایسا ہی معاملہ اس تلمیح کے سلسلے میں گزرا ہے کہ میں نے ایک شعر کہا اور اس میں ایک مذہبی تلمیح کو استعمال کیا۔شعر یہ تھا۔

اب زمانے میں کریں ہم شمسؔ کس پر اعتماد
اک عصا نے فاش سب رازِ سلیماں کر دیا

اس تلمیح کو جو حضرت سلیمان کے عصا سے تھی جس پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے تھے اور جس روز ہیکلِ سلیمان جنات نے مکمل کی اس روز یہ عصا جس کو ایک عرصے سے دیمک لگ گئی تھی، ٹوٹ کر گر پڑا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسدِ خاکی زمین پر آ گیا اور اس وقت تمام جنات کو معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام واصل بحق ہو چکے ہیں۔میرے شعر کو جناب سیمابؔ اکبرآبادی نے مہمل قرار دیا کہ ان کو صرف عصائے موسیٰ علیہ السلام یاد تھا اور عصائے سلیمان علیہ السلام سے وہ ناواقف تھے۔'' ۶

اب آئندہ صفحات میں اسی طرح کی عدم واقفیت کی ایک اور افسوس ناک مثال ملاحظہ ہو:

اردو کے مشہور وممتاز نقاد پروفیسر کلیم الدین احمد نے اپنی کتاب ''اقبالؔ ایک مطالعہ'' میں اقبالؔ کی غزلوں کا محاسبہ کرتے ہوئے ان کے اشعار تین حصوں میں نقل کیے ہیں۔تیسرے حصے میں یہ اشعار رکھے ہیں۔

عجب کیا گر مہ و پرویں میرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سرِ خود را
وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا، فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق ومستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

اس کے بعد لکھا ہے:

''رہا تیسرا حصہ تو وہ Orthodox مسلمانوں کی نظر میں Questionable نہیں، بلکہ کفر ہے۔ وہ نگاہِ عشق و مستی میں ہو یا نگاہِ باخبر میں پیغمبر اسلام کو وہی اول، وہی آخر، وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ کہنا درست نہیں۔ جب کہ ''ھو الاول والآخر والظاھر والباطن'' خدا کے لیے آیا ہے اور ہمیشہ پیغمبر اسلام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ''انا بشر مثلکم......الخ۔'' ۷

کلیم صاحب کی قابلیت مسلّم، وہ اردو اور انگریزی جتنی بھی جانتے ہوں لیکن قرآن واحادیث کے تعلق سے ان کی معلومات محض سطحی اور سرسری کہی جائے گی۔ اگر انھوں نے قرآن پاک کا مطالعہ جمہور اہلِ اسلام کی تفسیروں کے حوالے سے کیا ہوتا تو وہ ایسا کم زور اور لچر اعتراض نہیں کرتے۔ اب آپ دیکھیں کہ حضور پاک صاحب لولاک کو نگاہِ عشق و مستی ہی میں نہیں۔ بلکہ نگاہِ باخبر میں کیوں اول و آخر کہا جاتا ہے۔

آیت پاک ''ھو الاول و الآخر و الظاھر و الباطن وھو بکل شیءٍ علیم'' (سورۃ الحدید:۳) صفاتِ خداوندی کا بیان تو ہے ہی، لیکن ان سارے الفاظ کا انطباق خود ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی جائز و مستحسن ہے اور اس آیت میں حضور پاک کی نعت بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں ملاحظہ ہوں:

(۱)......آپ اول مخلوقات ہیں یعنی مخلوقات میں سب سے پہلے آپ کی تخلیق ہوئی۔ حدیث میں ہے: ''اول ما خلق اللّٰہ نوری'' (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا۔)

(۲)......آپ کی نبوت سب پر مقدم ہے۔ حدیث پاک میں ہے: کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین۔ (میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم آب وگل کی منزلیں طے کر رہے تھے۔)

(۳)......روزِ میثاق ''الست بربکم'' کے جواب میں سب سے پہلے آپ نے ہی ''بلیٰ'' کہا۔

(۴)......سب سے پہلے آپ خدا پر ایمان لائے۔ چناں چہ خود آپ کا ارشاد ہے ''اول من آمن باللّٰہ امرت وانا اول المؤمنین۔ ۸

(۵)......(اللہ پر جو سب سے پہلے ایمان لایا اور اس کے حکم کی تعمیل کی ان سب میں سب سے پہلا میں ہوں) روز قیامت جب زمین شق ہوگی اور لوگ اس سے نکلیں گے تو سب سے پہلے آپ جلوہ نما ہوں گے۔

(۶)......روزِ قیامت سب سے پہلے آپ ہی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوگی۔

(۷)......باب شفاعت سب سے پہلے آپ ہی کے لیے کھلے گا۔

(۸)......سب سے پہلے آپ ہی جنت میں داخل ہوں گے۔

اتنے واضح ارشادات وحقائق کی روشنی میں اقبالؔ کی نگاہِ باخبر نے حضور پاک کے لیے صفت ''اول'' استعمال کی ہے۔

اس طرح آپ کی اہم صفت ''آخر'' کے لیے یہ دلیلیں ملاحظہ ہوں:

(۱) تخلیق میں اول اور دیگر محاسن وفضائل میں سب پر فائق ہونے کے باوصف آپ کی بعثت ورسالت آخر میں ہوئی۔ چناں چہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''ولکن الرسول اللّٰہ وخاتم النبیین. لیکن آپ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

(۲) کتابوں میں آپ کی کتاب قرآن کریم آخری اور تمام ادیان میں آپ کا دین آخری ہے، چناں چہ آپ نے فرمایا: نحن آخرون السابقین. یعنی تمام سبقتوں کے باوجود بعثت میں ہم آخر ہیں۔ ۸
(بحوالہ مدارج النبوۃ، از حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

حلقۂ دیوبند کے معروف عالم ومفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''کیوں کہ ایک آپ ہی کی مخزن الکمالات ہستی تھی جو عالمِ غیب میں سے سب سے پہلے اور عالمِ شہادت میں سب انبیا کے بعد جلوہ افروز ہونے والی تھی اور جس کے بعد کوئی نبی نہ آنے والا تھا۔''
(صفحہ ۷۸)

دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں:

''عموماً مفسرین وانا اول المسلمین کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس امتِ محمدیہ کے اعتبار سے آپ اول المسلمین ہیں لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد کے موافق آپ اول الانبیا ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہہ ہوسکتا ہے۔'' (صفحہ ۳۰۰)

اس بحث کو میں مشہور ادیب وناقد جناب ابوالخیر کشفی کی اس راے پر ختم کرتا ہوں، وہ لکھتے ہیں:

''اکثر ذہنوں میں اول و آخر سے خلش ہوتی ہے۔ لیکن یہ الجھن ہماری پیدا کردہ ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلق میں اول ہیں اور رسالت میں آخر۔'' ۱۰

اب اہلِ نظر غور فرمائیں کہ اقبالؔ نے نعتِ رسول میں غلوے عقیدت سے کام لیا ہے یا خود ناقدِ محترم کی چشمِ غلط بیں کا فساد ہے۔ کلیم صاحب کے اعتراضات کی فہرست بہت طویل ہے۔ مندرجہ بالا مباحث کی روشنی میں آپ ان کے دینی مطالعے کی سطحیت اور محدودیت کا اندازہ کر سکتے ہیں ع

ان حقائق وشواہد کی روشنی میں امام احمد رضا بریلوی (حضرت رضؔا بریلوی) کے نعتیہ کلام کا ایماندارانہ جائزہ لیا جائے تو خالص ادبی اور فنی لحاظ سے بھی ان کے نعتیہ اشعار اردو کے ممتاز و مایۂ ناز غزل گو شاعروں کے اشعار سے بہتر و برتر نظر آئیں گے۔ لیکن افسوس آج تک کسی نے اس متاعِ گراں بہا کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اس کی ایک امکانی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے جس کی طرف اردو کے ممتاز جدید نقاد ڈاکٹر وزیر آغا نے لکھا ہے:

''پچھلے دنوں ایک نجی محفل میں ایک بزرگ نقاد نے کسی تازہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''میرے لیے اس کتاب کو پسند کرنا ناممکن ہے اس لیے کہ یہ تو میرے عقائد ہی کے خلاف ہے۔'' اور میں سوچنے لگا کہ ادب کی پرکھ کے سلسلہ میں عقیدہ کو کسوٹی مقرر کیا جائے تو کیا نتائج برآمد ہوں گے۔'' ۱۱

من وعن یہی بات مشہور محقق کالی داس گپتا رضا نے کہی ہے ملاحظہ ہو:

''تقریباً ربع صدی کے افریقہ کے قیام کے بعد مجھے ہندوستان پلٹے کوئی زیادہ دن نہیں ہوئے۔ اس لیے جناب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا نام اور کام سے بھی میری واقفیت چند ہی دنوں کی ہے تاہم جب میرے ایک دوست اور عزیز اشتیاق احمد خاں ادروی نے مجھے مولانا کی دو چھوٹی چھوٹی کتابیں موسومہ حدائق بخشش (حصہ اول وحصہ دوم) برائے مطالعہ عنایت کیں تو معلوم ہوا کہ اسلامی دنیا میں ان کے مقام بلند سے قطع نظر ان کی شاعری بھی اس درجہ کی ہے کہ انھیں انیسویں صدی کے اساتذہ میں برابر کا مقام دیا جائے۔ بے شک حسؔن بریلوی مرحوم نہایت اچھے شاعر تھے تاہم حیرت ہے کہ اس ضخیم تذکرے میں ان کے بڑے بھائی ''عالمِ اہلِ سُنّت'' اور نعت گوئی میں ان کے استاذ جناب احمد رضا خاں کے تذکرے نے جگہ نہ پائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خطا اس پاکیزہ مسلک کی بھی ہے جس کے زیرِ اثر مولانا نے اپنی شاعری کو قطعاً نعتوں اور سلاموں ہی تک محدود رکھا اور باقاعدہ شاعری سے احتراز کیا۔ اس طرح عوام نے انھیں ایک شاعر کی حیثیت سے جانا ہی نہیں۔ تاہم نعتیں اور سلام ہی سہی ذرا سے غور وفکر کے بعد ان کے اشعار ایک ایسے شاعر کا پیکر دل و دماغ پر مسلط کردیتے ہیں جو محض ایک سخن ور کی حیثیت سے بھی اگر میدان میں اترتا تو کسی استادِ وقت سے پیچھے نہ رہتا۔'' ۱۲

اگر اردو تنقید امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کے تعلق سے اب بھی سجدۂ سہو کرلیتی ہے تو اس کے سر

سے ایک بڑا الزام ٹل جائے گا۔

مراجع ومصادر:

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی، بحوالہ تقریظ گلبانگ حرم، از حمید صدیقی لکھنوی، ص ۱۷
(۲) ادبی تجزیے، مجموعۂ مضامین، ڈاکٹر صابر سنبھلی، صفحہ ۱۸۵
(۳) مضمون، مشمولہ جادۂ رحمت، نعتیہ مجموعہ صبیح رحمانی، صفحہ ۱۲
(۴) حرفِ ادب، از شجاعت سندیلوی، صفحہ ۱۴۶
(۵) گلبن احمد آباد کا نعت نمبر، ص ۴۹
(۶) کلام حضرت رضؔا کا تحقیقی وادبی جائزہ، صفحہ ۸۳
(۷) اقبالؔ ایک مطالعہ، صفحہ ۱۷۹-۱۸۰
(۸) بحوالہ مدارج النبوۃ، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی
(۹) القرآن الکریم، ترجمہ مولوی محمود حسن
(۱۰) نعت رنگ کراچی پاکستان، شمارہ ۹، صفحہ ۳۵
(۱۱) تنقید واحتساب، از ڈاکٹر وزیر آغا، مشمولہ مضمون ادب کی پرکھ، ص ۲۲
(۱۲) ماہ نامہ المیزان، امام احمد رضا نمبر

ایم۔ فل مقالہ

امام احمد رضا اور حدیثی حواشی

مقالہ نگار: **محمد عرفان محی الدین قادری** (لکچرر سینٹ جوزف ڈگری کالج حیدرآباد)

صفحات: ۱۲۸...... ناشر: عرشی کتاب گھر، میر عالم منڈی، حیدرآباد...... ہدیہ: ۶۰/روپے

امام احمد رضا محدث بریلوی کی حدیث میں مہارت و دقتِ نظر کے معترف جید علمائے عرب و عجم ہیں۔ امام احمد رضا کا علم حدیث کے حوالے سے عظیم علمی ذخیرہ تصانیف وحواشی کی صورت میں ہے، تصانیف کے رُخ سے تو کچھ کام ہوا ہے، لیکن حواشی کے رُخ سے کام برائے نام ہے۔ جناب عرفان محی الدین لائق مبارک باد ہیں جنھوں نے حدیثی حواشی میں امام ممدوح کی بصیرت و محدثانہ عظمت کے کئی ایک جلوے اس کتاب میں وا کیے ہیں، مصادر و مآخذ کی نشان دہی کے ساتھ متعدد حواشی کے قلمی نسخوں کے عکوس بھی درج کیے ہیں جس سے کتاب کی دستاویزی حیثیت بڑھ گئی ہے۔ کتاب کا مطالعہ اہلِ علم وفن کی معلومات میں اضافے کا باعث بنے گا۔ اللہ کریم اس سعی کو شرفِ قبول عطا کرے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

مجدد اعظم

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی

رب کریم کی عادتِ کریمہ رہی کہ وہ اپنے بندوں کی رشد وہدایت اور درس توحید اور تعلیم عبادت کے لیے مناسب موقع پر کچھ نفوس قدسیہ کو منصب نبوت و رسالت پر فائز فرماتا رہا، جسے دنیا رسول اور پیغمبر کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ کو رب ذوالجلال نے جہاں کہیں ناقابل توجیہ اور محیر العقول معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا، وہیں اس عہد کے حیرت انگیز اعجاز نما علوم وفنون میں بھی وہ کمال بخشا کہ جسے دیکھ کر دنیا دنگ رہ گئی۔ نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ دراز ہوتے جب ختم نبوت تک پہنچا تو رب کریم نے قوم وملت کی رہ نمائی، علماے ربانیین کے ذمہ فرمادی۔ ان ہی علماے دین میں سے کچھ ایسے نفوس زکیہ کو باری تعالیٰ نے وہ فضیلت دی جس کے متعلق حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ **من یجدد لھا امر دینھا** جسے اصطلاحِ شرع میں مجدد کے معظم لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ مجددینِ کرام چوں کہ تجدید واحیاے دین، علیٰ منہاج النبوت فرماتے ہیں اس لیے ان حضرات کو بھی رب کریم ناقابلِ تسخیر علوم وفنون میں ایسا بے نظیر بنا کر بھیجتا ہے کہ وہ اپنی صدی کی تمام الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھا دیتے ہیں اور اس صدی کی بڑی بڑی عبقری شخصیت ٹکٹکی لگا کر ان کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب مستقبل میں آنے والا مجدد مائۃ حاضرہ ایسا شخص ہوگا جو جملہ مروجہ علوم وفنون پر کامل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ عصری علوم وفنون کا بھی ماہر ہوگا۔ انھیں سائنس، الکٹرانک، ہیئت و ہندسہ، خلا، بسیط، فلکیات وارضیات وغیرہ پر بھی ویسا ہی ملکۂ راسخہ ہوگا جس طرح دینیات کے اصول وفروع اور نئے مسائل کے استنباط پر انھیں مہارت تامہ ہوگی، تاکہ وہ سمتِ قبلہ کے انحراف کے تعلق سے بجائے شمال کے جنوب، یا بجائے جنوب کے شمال نہ بتادے، تصویر کو عکس یا عکس کو تصویر سمجھ کر یک ساں حکم نہ نافذ کردے۔ قیاسِ فقہی اور قیاسِ لغوی کو ایک ہی نہ سمجھ لے۔ نوادرات کو مبنائے قیاس نہ ٹھہرا دے، منطقۂ باردہ کی نو آبادکاری کے تعلق سے خلافِ شرع حکم نہ صادر فرما دے۔ چاند پر پہنچے ہوئے مسافر کے مشاہدہ پر رویتِ ہلال کا حکم نہ نافذ فرمادے۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ شرع مطہرہ نے جن مسائل میں گواہوں کی شہادت پر حکم کا مدار رکھا ہے اس سے دراصل یقین شرعی یعنی ظنِ غالب ملحق بہ یقین مقصود ہے۔ گواہوں کا قاضی کے روبرو ہونا شرع کا

قطعاً مقصود نہیں ہے۔ فیکس، ٹی۔وی اور باتصویر ٹیلی فون میں چوں کہ ظن غالب ملحق بہ یقین ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر علم الیقین اور عین الیقین حاصل ہوجاتا ہے۔ اس لیے ان چیزوں پر اعتماد اور ان چیزوں کا اعتبار ہرگز مقاصدِ شرع کے خلاف نہیں۔

اس لیے ہم کہتے ہیں کہ مائۃِ حاضرہ کا مجدد اعظم ایسا ہوگا جو یہ سمجھا سکے یہ بذریعہ فیکس کسی قاضی کا مع دستخط ومہر روانہ کردہ پروانہ کو کتاب القاضی الی القاضی کا درجہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں، جب کہ یہاں اندیشہ رہتا ہے کہ **الخط یشبہ الخط** اور یہ بھی اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی بھی شاطر آدمی خفیہ طور پر قاضی کی مہر کو استعمال کرسکتا ہے جیسے کہ خلیفۂ سوم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر ایک شاطر نے دار الخلافہ کی مہر کو استعمال کر کے فتنہ برپا کیا تھا۔ اور وہ یہ بھی سمجھا سکے کہ ٹی۔وی (اگر چہ اس کا استعمال بذاتِ خود شرعاً غلط ہے) کیا اس کے ذریعہ کسی دوسرے شہر کے شناخت میں آنے والے گواہوں کی شہادت یا خود قاضی کے حکم پر عید ورمضان کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ یہاں بھی اندیشہ ہے کہ ٹی۔وی کے اسکرین پر شناخت میں آنے والے گواہان کی صورت دکھائی جائے اور آواز دوسروں کی ہو جیسے فلموں میں ہوتا ہے کہ کردار اور چہرہ کسی کا ہوتا ہے اور نغمہ وغیرہ میں آواز کسی اور کی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی سمجھا سکے کہ اگر براہِ راست مطلع ہلال کو کسی آلہ مثلاً خوردبین وغیرہ کے ذریعہ ٹی۔وی پر دکھایا جائے اور لوگ ٹی۔وی کے اسکرین پر مطلع قمر اور ہلال کا مشاہدہ کریں تو کیا اس ہلال کے دیکھنے پر رویتِ ہلال کا مدار رکھنا صحیح ہے یا نہیں جب کہ یہاں بھی احتمال ہے کہ ٹی۔وی کے سینٹر اور مرکزِ اشاعت پر کوئی مصنوعی فرضی ہلال بنا کر ٹی۔وی وغیرہ کے ذریعہ نمائش کی جائے جیسے پلاٹینیرم (تارہ منڈل) میں فلکیات کے مناظر کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔

الغرض مائۃِ حاضرہ کا مجدد ایسا ہوگا جن کی اپنے دور کی ایجادات پر بھرپور نظر ہو اور ان کا حکم اصولِ شرع کے مطابق ایسا واضح طور پر فرمائے کہ جس میں کچھ شک وشبہہ نہ ہوسکے؛ جس طرح امام احمد رضا نے اپنے دور کے جملہ مسائل کی اصولِ شرع کے مطابق توضیح وتشریح فرمائی ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان جو اپنی صدی کے مجدد اعظم تھے۔ جب ہم انھیں دیکھتے ہیں تو وہ ہر زاویۂ دید سے ایک بے نظیر شخصیت بن کر سامنے آتے ہیں۔ ہیئت، ہندسہ، توقیت ومساحت، جبر و مقابلہ، مثلث کروی، مثلث مسطح غرض کہ اپنی صدی کے جملہ علوم وفنون میں وہ نہ صرف یکتاے روزگار بلکہ فقید المثال نظر آرہے ہیں۔ امریکی منجم نے جب تمام سیارگان کے اجتماع کی بنیاد پر قیامت کی پیش گوئی کی تو اسی بطلِ جلیل امام احمد رضا نے ہیئت کی رو سے اس کی بنیاد اجتماعِ سیارگان کو منتشر کر کے رکھ

دیا اور جب دنیا کے آباد اور غیر آباد حصوں کی بات آئی تو سمتِ قبلہ کے تعلق سے بذریعہ مثلث کروی ایسے ایسے ضابطے وضع فرمائے کہ ہر خشک وتر، دشت وجبل اور صحرا وجنگل کے لیے **کشف العلۃ عن سمت القبلۃ** لکھ ڈالی۔ یہی نہیں بلکہ بذریعہ زیج علوبین (زحل ومشتری) کے چار قرانوں میں سے یعنی قرانِ اعظم کی بنیاد پر قربِ قیامت کی پیش گوئی فرما دی۔ یہی وہ کمالات تھے جن کی وجہ سے آپ کی صدی کے بڑے بڑے جابر گردن کشاں آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ آیے اسی مجدد اعظم کی ایک چھوٹی سی کاوش پیش کر کے ان کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کریں۔

قرآن کریم میں بارہ برجوں کا بیان آیا ہے، حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ ہر ہر برج کے ۳۰-۳۰/درجے ہوتے ہیں۔ بعض عملیات وتسخیرات، ہمزاد اور جنات کو قابو کرنے میں ان برجوں کے طالع، غارب، عاشر اور ان برجوں کے درجات میں سے کسی درجۂ خاص کے طلوع وغروب کی حاجت پڑتی ہے۔ امام احمد رضا کے ایک شاگرد رشید عالی جناب نواب سلطان احمد خاں بریلوی نے ۱۸/جولائی ۱۹۱۸ء کو یہ سوال خدمت میں پیش کیا کہ ان دنوں برجِ سنبلہ کے درجہ سیوم کا طلوع کب ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے تھوڑی سی توجہ فرمائی اور پھر بذریعہ مؤامرہ اس کا جواب عطا فرما دیا جو سوال مع جواب فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم میں درج ہے۔ وہاں استخراجِ وقت کے ضابطے اور مؤامرہ مذکور نہیں اس لیے اہلِ ذوق کے لیے اس کا مؤامرہ اور اس کے مبادی ومقدمات ذیل میں درج کرتے ہیں تا کہ اس سے امام احمد رضا کی فنی کارکردگی کی ایک جھلک سامنے آ جائے۔

کسی کوکب یا جز من اجزا المنطقہ کے طلوع وغروب معلوم کرنے کے دو طریقے درج ذیل ہیں:

مبادیٔ کلیہ: (۱) ظل میل × ظل عرض = جیب تعدیل النہار، اگر میل وعرض متحد الجہۃ ہوں ۹۰/درجہ پر تعدیل النہار بڑھائیں، مختلفۃ الجہۃ ہوں تو کم کریں دونوں صورت میں نصف قوس نہار کوکب حاصل ہوگا۔ اس قوس کو ۱۵/پر تقسیم کر کے ساعات معلوم کرلیں۔ (۲) ۱۲+ تعدیل الایام = وقت ممر آفتاب۔

مبادی جزئیہ جو سوال مذکور سے تعلق رکھتے ہیں

		جہ	ج		جہ	ج
(۱) تقویم شمس =	۳۴	۲۴	۳	تقویم درجہ سوم سنبلہ =	۳	۵
(۲) عرض بریلی	۲۳	۴۸	شمالی			
(۳) میل درجہ سیوم سنبلہ =	۳۰ء۵۷	۲۴	۱۰	شمالی		
(۴) تعدیل النہار درجہ سیوم بعرض بریلی =	۴۶	۴۱	۵			

(۵) نصف قوس نہار = ۴۶ ۴۱ ۹۵ اس کی ساعتیں = ۴۷ ۲۲ ۶

ضابطۂ عمل بہ اعتبار مطالع استوائی: (۱) مطالع استوائی آفتاب اور مطالع استوائی کوکب کے مابین تفاضل حاصل کر کے اس کے ساعات معلوم کریں۔

(۲) وقت ممر آفتاب + ساعات تفاضل (جبکہ فضل مطالع استوائی کوکب کو ہو) یا وقت ممر آفتاب - ساعات تفاضل (جب کہ فضل مطالع استوائی آفتاب کو ہو) دونوں صورت میں ساعات کو ممر کوکب ہوں گے،

(۳) ساعات ممر کوکب - ساعات نصف قوس نہار کوکب = وقت طلوع کوکب بلدی اور ساعات ممر کوکب + ساعات نصف قوس نہار کوکب = وقت غروب کوکب بلدی، (۴) اس بلدی ٹائم کو تعدیل مروج کے ذریعہ معدل کرلیں = طلوع یا غروب مروج

مؤامرہ بہ اعتبار مطالع استوائی بتاریخ مذکور:

مطالع استوائی درجہ سیوم =		۳۵	۴۷	۵۶	۱۵۴
آفتاب -		۴۷	۴۴	۳۶	۱۱۶
تفاضل =		۴۸	۲	۲۰	۳۸
ساعاتہ =		۲۰	۳۳	۲	
وقت ممر آفتاب =	۵۸	۵	۱۲		
ساعات تفاضل =	۲۰	۳۳	۲		
وقت ممر درجہ سیوم =		۱۸	۳۹	۱۴	
ساعات نصف قوس نہار =		۴۷	۲۲	۶	
وقت طلوع بلدی =		۳۱	۱۶	۸	
تعدیل مروج =		۱۲	۱۲		
اسٹنڈرڈ ٹائم		۴۳	۲۸	۸	

ضابطۂ عمل بہ اعتبار مطالع طلوع:

(۱) مطالع ممر درجہ سیوم - تعدیل النہار = مطالع درجہ سیوم،

(۲) مطالع ممر آفتاب - تعدیل النہار = مطالع طلوع آفتاب،

(۳) ۱-۲ کے تفاضل کی ساعتیں معلوم کرلیں،

(۴) طلوع آفتاب معدل مروج + ساعات تفاضل = طلوع درجہ سیوم بلدی، اس کو معدل مروج کریں
= طلوع درجہ سیوم مروج

مؤامرہ بہ اعتبار مطالع طلوع بتاریخ مذکورہ:

مطالع ممر درجہ سیوم =	۳۵	۴۷	۵۶	۱۵۴		
تعدیل النہار ناقص =	۰۰	۴۶	۴۱	۵		
مطالع طلوع درجہ سیوم =		۳۵	۱	۱۵	۱۴۹	(۱)
مطالع ممر آفتاب =		۴۷	۴۴	۳۶	۱۱۶	
تعدیل النہار ناقص =		۰۰	۹	۵	۴	
مطالع طلوع آفتاب =	۴۷	۳۵	۳۱	۱۱۲	(۲)	
(۱) =		۳۵	۱	۱۵	۱۴۹	
(۲) =		۴۷	۳۵	۳۱	۱۱۲	
تفاضل =		۴۸	۲۵	۴۳	۳۶	
ساعۃ =		۵۴	۲۶	۲		
طلوع آفتاب بلدی =		۱۳	۳۷	۵		
تعدیل مروج زائد =		۱۲	۱۲			
=		۲۵	۴۹	۵		
ساعات تفاضل =		۵۴	۲۶	۲		
وقت طلوع درجہ سیوم =	۱۹	۱۶	۸			
تعدیل مروج =		۱۲	۱۲	۰		
طلوع درجہ سیوم مروج =		۳۱	۲۸	۸		

☆☆☆

ڈاکٹر یعقوب ذکیؔ (پروفیسر ہارڈورڈ یونی ورسٹی، امریکہ) کا تاثر

’’فتاویٰ رضویہ فقہ حنفی کا ایک عظیم سرمایہ ہے جس طرح فتاویٰ عالمگیری، جو ہندوستان میں مسلم عہدِ حکومت کی ایک عظیم فقہی خدمت ہے۔ امام احمد رضا ایک متبحر فاضلِ علوم اسلامی تھے۔ فقہی بصیرت، تبحر علمی، خداداد فکری و قلمی صلاحیت وخدمت کی وجہ سے دنیا نے انھیں مجدد تسلیم کیا‘‘۔
(انگریزی ترجمہ) (امام احمد رضا اربابِ علم ودانش کی نظر میں، یٰسٓ اختر مصباحی، ص ۱۰۴)

امام احمد رضا بریلوی اور ردِّ قادیانیت

مولانا عبدالحکیم شرف قادری
سابق استاذ: جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم وآله واصحابه اجمعين!

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز (متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) چودہویں صدی کے وہ عظیم عالم اور دنیاے اسلام کے نام ور مفتی اور محدث ہیں جنھوں نے اپنی تمام تر زندگی عقائد اسلامیہ کا پہرہ دیتے ہوئے گزاری، ان کا قلم اس دور کے تمام اعتقادی فتنوں کا محاسبہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ اسلام کی عزت وحرمت اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام وناموس کے مقابل کسی بڑے سے بڑے صاحبِ جبہ و دستار کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کے بے لاگ فتوؤں اور غیرتِ ایمانی میں ڈوبی ہوئی تنقیدوں کو بعض طبقے شدت سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن انصاف پسند حضرات جب معاملے کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو انھیں ان کے فیصلوں کی تصدیق کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

مرزائیت موجودہ صدی میں اسلام کے خلاف وہ خوف ناک سازش ہے جو ملتِ اسلامیہ کے لیے کینسر کی حیثیت رکھتی ہے، امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مرزائیت کے خلاف علمی اور قلمی جہاد کیا، بلکہ مرزائیت نوازوں کے خلاف بھی شمشیر بے نیام ثابت ہوئے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار اور گم راہ فرقے سچے خدا کو نہیں مانتے، اور جس خدا کا ذکر کرتے ہیں، وہ ان کا خود ساختہ خدا ہے، مرزائیوں کے خود ساختہ خدا کے کیا اوصاف ہیں؟ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

’’قادیانی ایسے کو خدا کہتا ہے:

جس نے چار سو جھوٹوں کو اپنا نبی کہا، ان سے جھوٹی پیشین گوئیاں کہلوائیں۔

جس نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ایسے کو عظیم الشان رسول بنایا جس کی نبوت پر اصلاً دلیل نہیں، بلکہ اس کی نفی نبوت پر دلیل قائم جو (خاک بدہن ملعون) ولد الزنا تھا

☆ جس کی تین دادیاں نانیاں زنا کار کسبیاں، ایسے کو (خدا مانتا ہے)

☆ جس نے ایک بڑھئی کے بیٹے کو محض جھوٹ کہہ دیا کہ ہم نے بن باپ کے بنایا اور اس پر فخر کی ڈینگ ماری کہ یہ ہماری قدرت کی کیسی کھلی نشانی ہے؟

☆ ایسے کو (خدا مانتا ہے)

☆ جس نے ایک بدچلن عیاش کو اپنا نبی کہا۔

☆ جس نے ایک یہودی فتنہ کو اپنا رسول کر کے بھیجا۔

☆ جس کے پہلے فتنہ نے دنیا کو تباہ کر دیا۔

☆ ایسے کو (خدا مانتا ہے) جو اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو ایک بار دنیا میں لا کر دوبارہ لانے سے عاجز ہے۔

☆ وہ جس نے ایک شعبدہ باز کی مسمریزم والی مکروہ حرکات، قابلِ نفرت حرکات، جھوٹی بے ثبات کو اپنی آیات بیّنات بتایا۔'' ١

☆ ایسے کو (خدا مانتا ہے) جس نے اپنا سب سے پیارا بروزی خاتم النبیین دوبار قادیان میں بھیجا، مگر اپنی جھوٹ، فریب، تمسخر، ٹھٹول کی چالوں سے اس کے ساتھ بھی نہ چوکا، اس سے کہہ دیا:

تیری جورو کے اس حمل سے بیٹا ہوگا جو انبیا کا چاند ہوگا، بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت لیں گے، بروزی بے چارہ اس کے دھوکے میں آکر اسے اشتہاروں میں چھاپ بیٹھا، اسے تو یوں ملک بھر میں جھوٹا بننے کی ذلت ورسوائی اوڑھنے کے لیے یہ جل دیا اور جھٹ پٹ میں اُلٹی یہ کل پھرا دی، بیٹی بنا دی، بروزی بے چارہ کو اپنی غلط فہمی کا اقرار چھاپنا پڑا اور اب دوسرے پیٹ کا منتظر رہا۔

اب کی یہ مسخرگی کی کہ بیٹا دے کر امید دلائی اور ڈھائی برس کے بچے ہی کا دم نکال دیا، نہ نبیوں کا چاند بننے دیا، نہ بادشاہوں کو اس کے کپڑوں سے برکت لینے دی۔

غرض کہ اپنے چہیتے بروزی کا کذاب ہونا خوب اُچھالا اور اس پر مزید یہ کہ عرش پر بیٹھا اس کی تعریفیں گا رہا ہے۔ ٢

مرزائے قادیانی کی جھوٹی نبوت کو محمدی بیگم کی وجہ سے سخت دھچکا لگا، بقول مرزائے قادیانی:

اسے الہام ہوا کہ اپنی رشتے کی بہن احمدی بیگم کی بیٹی محمدی بیگم سے نکاح کا پیغام بھیجو، مرزا نے جھٹ پیغام بھیج دیا اور تشہیر بھی کر دی کہ میرا نکاح محمدی بیگم سے ہو کر رہے گا، اس کی بدقسمتی کہ پیغامِ نکاح رد کر دیا گیا، منت سماجت بھی کی مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، مرزا صاحب دھمکیوں پر اتر آئے کہ اگر محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا تو اڑھائی سال میں اس کا باپ مر جائے گا اور تین سال

میں اس کا شوہر ہلاک ہو جائے گا یا اس کے برعکس ہوگا۔

ان سب کوششوں کا نتیجہ کیا نکلا؟ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے سنیے:

''اب قادیانی کے ساختہ خدا کو اور شرارت سوجھی، چٹ بروزی (مرزا) کو وحی پھنٹا دی کہ زَوَّجْنَاکَھَا محمدی (بیگم) سے ہم نے تیرا نکاح کر دیا، اب کیا تھا بروزی جی ایمان لے آئے کہ اب محمدی (بیگم) کہاں جا سکتی ہے؟ یوں جل دے کر بروزی مرزا کے منھ سے اسے اپنی منکوحہ چھپوا دیا، تاکہ وہ حد بھر ذلت جو ایک چمار بھی گوارا نہ کرے کہ اس کی جورو اس کے جیتے جی دوسرے کی بغل میں، یہ مرتے وقت بروزی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہوا اور رہتی دنیا تک بے چارے کی فضیحت وخواری و بے عزتی وکذابی کا ملک میں ڈنکا ہوا۔''

ادھر تو عابد ومعبود کی یہ وحی بازی ہوئی، ادھر سلطان محمد آیا اور نہ عابد کی چلنے دی اور نہ معبود کی، بروزی جی کی آسمانی جورو سے بیاہ کر، ساتھ لے، یہ جا وہ جا، چلتا بنا، ڈھائی تین برس پر موت کا وعدہ تھا، وہ بھی جھوٹا گیا، الٹے بروزی جی زمین کے نیچے چل بسے وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔

یہ ہے قادیانی اور اس کا ساختہ خدا، کیا وہ جانتا تھا یا اب اس کے پیرو جانتے ہیں؟ حَاشَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٣

مرزائیوں کے احکام

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ:

☆ قادیانی مرتد منافق ہیں...... مرتد منافق وہ شخص ہے جو کلمۂ اسلام پڑھتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرتا ہے یا ضرورتِ دین میں سے کسی شے کا منکر ہے۔ ٤

☆ قادیانی کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔ ٥

☆ قادیانی کو زکوٰۃ دینا حرام ہے اور اگر ان کو دے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ٦

☆ قادیانی مرتد ہے، اس کا ذبیحہ محض نجس و مردار، حرامِ قطعی ہے۔ ٧

☆ مسلمانوں کے بائی کاٹ کے سبب قادیانی کو مظلوم سمجھنے والا اور اس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم و ناحق سمجھنے والا اسلام سے خارج ہے۔ ٨

۱۳۳۶ھ میں ایک استفتا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح مرزائی سے کر دیا ہے، حالاں کہ اسے علم ہے کہ تمام علمائے اسلام فتویٰ دے چکے ہیں کہ مرزائی کافر وملحد

ہے،اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

''اگر ثابت ہو کہ وہ (لڑکی کا باپ) مرزائیوں کو مسلمان جانتا ہے اس بنا پر یہ تقریب کی تو خود کافر ومرتد ہے، علماے حرمین شریفین نے قادیانی کی نسبت بالاتفاق فرمایا:

مَنْ شَکَّ فِی عَذَابِہٖ وَکُفْرِہٖ فَقَدْ کَفَرَ

''جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے۔''

اس صورت میں فرضِ قطعی ہے کہ تمام مسلمان موت وحیات کے سب علاقے اس سے قطع کر دیں۔

......بیمار پڑے پوچھنے کو جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر جانا حرام۔ ۹

۱۳۳۵ھ میں محمد عبدالواحد خاں مسلم ممبئی اسلام پورہ نے سوال کیا کہ قادیانیوں سے کس پیرائے میں بحث کی جائے؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''سب میں بھاری ذریعہ اس کے رد کا اول اول کلماتِ کفر پر گرفت ہے، جو اس کی تصانیف میں برساتی حشرات الارض کی طرح ابلے گہلے پھر رہے ہیں، انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہینیں، عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں، ان کی ماں طیبہ طاہرہ پر طعن اور یہ کہنا کہ یہودی کے جو اعتراض عیسیٰ اور ان کی ماں پر ہیں ان کا جواب نہیں، (اس کے علاوہ متعدد کفر گنوائے۔)

دوسرا بھاری ذریعہ ان خبیث پیشین گوئیوں کا جھوٹا پڑنا جن میں بہت چمکتے روشن حرفوں سے لکھنے کے قابل دو واقعے ہیں:

(۱) لڑکے کی پیدائش کی خبر نشر کی، لیکن لڑکی پیدا ہوئی،

(۲) محمدی بیگم سے نکاح کی پیشین گوئی کی، لیکن وہ بھی جھوٹی ہوئی۔

غرض اس کے کفر حد وشمار سے باہر ہیں، کہاں تک گنے جائیں؟ اور اس کے ہوا خواہ ان باتوں کو ٹالتے ہیں اور بحث کریں گے تو کاہے میں؟ کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتقال فرمایا، مع جسم اٹھائے گئے یا صرف روح؟ مہدی وعیسیٰ ایک ہیں یا متعدد؟ یہ ان کی عیاری ہوتی ہے، ان کفروں کے سامنے ان مباحث کا کیا ذکر؟'' ۱۰

۱۳۳۹ھ میں ڈیرہ غازی خاں سے عبدالغفور صاحب نے استفتا بھیجا کہ ایک قادیانی کہتا ہے کہ ابن ماجہ شریف کی حدیث کے مطابق ہر صدی کے بعد مجدد ضرور آئے گا، لاہوری پارٹی کا موقف یہ

ہے کہ مرزا وقت کا مجدد ہے، اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے تحریر فرمایا:

مجدد کا کم از کم مسلمان ہونا تو ضروری ہے، اور قادیانی کافر ومرتد تھا، ایسا کہ تمام علماے حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا کہ جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر، لیڈر بننے والوں کی ایک ناپاک پارٹی قائم ہوئی جو گاندھی مشرک کو رہبر، دین کا امام پیشوا مانتے ہیں، گاندھی پیشوا ہو سکتا ہے نہ مجدد۔ ۱۱

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۳۲۰ھ میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف لطیف ''المعتقد المنتقد'' پر قلم برداشتہ حاشیہ لکھا، اپنے دور کے مبتدعین نو پیدا فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے مرزاے قادیانی کے متعدد کفر گنوائے اور آخر میں فرمایا:

''اس کے علاوہ اس کے بہت سے ملعون کفر ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کے اور دوسرے تمام دجالوں کے شر سے محفوظ رکھے۔'' ۱۲

۱۳۲۴ھ میں امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کے علماے اہلِ سُنّت کی خدمت میں ایک استفتا بھیجا، جس میں چند فرقوں اور ان کے عقائد کا تذکرہ تھا، ان میں سرفہرست مرزائیوں کا ذکر تھا۔۱۳ اس کے جواب میں حرمین شریفین کے علما نے مرزائیوں اور مرزائی کو کافر قرار دیا۔

اس کے علاوہ انھوں نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ردّ مرزائیت میں مستقل رسائل بھی لکھے:

(۱) جزاء اللّٰہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ:

اس رسالۂ مبارکہ میں عقیدۂ ختم نبوت پر ایک سو بیس حدیثیں اور منکرین کی تکفیر پر جلیل القدر ائمہ کی تیس تصریحات پیش کیں۔

(۲) المبین ختم النبیین:

اس رسالہ میں بیان فرمایا کہ خاتم النبیین میں الف لام استغراق کے لیے ہے، یعنی ہمارے آقا ومولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاے کرام کے خاتم ہیں، جو شخص اس استغراق کو نہیں مانتا اسے کافر کہنے کی ممانعت نہیں ہے، اس نے نصِ قرآنی کو جھٹلایا ہے، جس کے بارے میں اُمت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔ ۱۴

(۳) قھر الدیان علیٰ مرتد بقادیان:

اس میں جھوٹے مسیح، مرزاے قادیانی کے شیطانی الہاموں کا رد کر کے عظمتِ اسلام کو اجاگر کیا ہے۔

(۴) السوء والعقاب علی المسیح الکذاب:

۱۳۲۰ھ میں امرتسر سے ایک سوال آیا کہ ایک مسلمان اگر مرزائی ہو جائے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ میں دس وجہ سے مرزائے قادیانی کا کفر بیان کر کے متعدد فتاویٰ کے حوالے سے یہ حکم تحریر فرمایا:

''یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام بعینہٖ مرتدین کے احکام ہیں......شوہر کے کفر کرتے ہی عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے۔'' ۱۵

(۵) الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی:

یہ امام احمد رضا بریلوی کی آخری تصنیف ہے جو آپ نے وصال سے چند دن پہلے تحریر فرمائی۔

آپ کے صاحب زادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''**الصارم الربانی علی اسراف القادیانی**'' تحریر فرمائی، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ تفصیل سے بیان کیا اور مرزا کے مثیل مسیح ہونے کا زبردست ردّ کیا۔ یہ رسالہ سہارن پور سے آنے والے سوال کے جواب میں لکھا گیا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس رسالے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بحمد اللہ! اس شہر (سہارن پور) میں مرزا کا فتنہ نہ آیا، اور اللہ عزوجل قادر ہے کہ کبھی نہ لائے۔ ۱۶

ردِ مرزائیت میں امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوؤں کو ہر موافق و مخالف نے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے، پروفیسر خالد شبیر احمد، فیصل آباد، دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اس کے باوجود انھوں نے اپنی تالیف ''تاریخ محاسبۂ قادیانیت'' میں ردِ مرزائیت سے متعلق امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ بڑے اہتمام سے نقل کیا اور فتوے سے پہلے اپنے تاثرات یوں قلم بند کیے:

''اس فتویٰ سے جہاں مولانا کے کمالِ علم کا احساس ہوتا ہے وہیں مرزا غلام احمد کے کفر کے بارے میں ایسے دلائل بھی سامنے آتے ہیں کہ جس کے بعد کوئی ذی شعور مرزا صاحب کے اسلام اور اس کے مسلمان ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' ۱۷

مزید لکھتے ہیں:

''ذیل کا فتویٰ بھی آپ کی علمی استطاعت، فقہی دانش و بصیرت کا ایک تاریخی شاہ کار ہے، جس میں آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر کو خود ان کے دعاوی کی روشنی میں نہایت مدلل طریقے سے ثابت کیا ہے، یہ فتویٰ مسلمانوں کا وہ علمی و تحقیقی خزینہ ہے جس پر مسلمان جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔'' ۱۸

بعض غیر ذمہ دار افراد نے محض مخالفت برائے مخالفت کے نقطۂ نظر سے امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے سروپا باتیں منسوب کر کے غیر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کیا اور یہاں تک لکھ دیا:

مرزا غلام قادر بیگ جو انھیں (امام احمد رضا بریلوی کو) پڑھایا کرتے تھے، نبوت کے جھوٹے دعوے دار مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ ۱۹

امام احمد رضا بریلوی کے ابتدائی استاذ اور مرزائے قادیانی کے بھائی کا نام ایک ہے، جس کی بنا پر یہ مغالطہ دیا گیا، حالاں کہ یہ دونوں الگ الگ شخص ہیں۔

حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بھائی مرزا مطیع بیگ کے پوتے مرزا عبدالوحید بیگ (بریلی) نے اپنے ایک مقالہ میں اس الزام تراشی کا جواب دیا ہے، ان کا بیان ہے کہ مرزا غلام قادر بیگ لکھنؤ کے محلّہ جھوائی ٹولہ میں یکم محرم، ۲۵؍جولائی ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء کو پیدا ہوئے، ان کے والد لکھنؤ سے بریلی منتقل ہو گئے تھے، ہمارا خاندان نسلاً ایرانی یا ترکستانی مغل نہیں ہے، مرزا اور بیگ کے خطابات اعزاز شاہانِ مغلیہ کے عطا کردہ ہیں، مرزا غلام قادر بیگ طبابت کرتے تھے اور دینی تعلیم بلا معاوضہ دیا کرتے تھے، دوسرے طالب علم آپ کے مطب پر پڑھنے آتے، لیکن آپ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان کے مکان پر ہی درس دیتے تھے، پھر ایک وقت آیا کہ انھوں نے اصرار کر کے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہدایہ کا درس لیا اور فخر سے فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں علم و فضل کے شہنشاہ کا شاگرد ہوں، ان شاء اللہ! روزِ قیامت بھی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں کی مبارک صف میں شامل ہوں گا۔''

حضرت مرزا غلام قادر بیگ کا انتقال بریلی شریف میں یکم محرم، ۱۸؍اکتوبر ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا۔ محلّہ باقر گنج میں واقع حسین باغ میں دفن کیے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جناب مرزا عبدالوحید بیگ (بریلی) لکھتے ہیں:

''ہمارے خاندان کا کبھی بھی کسی قسم کا کوئی واسطہ و تعلق مرزا غلام احمد قادیانی کذاب سے نہیں رہا، اس لیے یہ کہنا کہ حضرت مولانا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کے بھائی تھے، انتہائی لغو، بے بنیاد اور کذبِ صریح ہے۔'' ۲۰

حوالہ جات:

(۱) احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (شیخ غلام علی لاہور) ج ۱ ص ۷۴۲

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً ۷۴۳

(۴) احمد رضا بریلوی، امام، احکام شریعت (طبع کراچی) ج ۱ ص ۱۱۲

(۵) ایضاً ص ۱۲۸

(۶) ایضاً ص ۱۳۹

(۷) ایضاً ص ۱۲۲

(۸) ایضاً ص ۱۷۷

(۹) احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (طبع مبارک پور) ج ۶ ص ۵۱

(۱۰) ایضاً ص ۳۱-۳۲

(۱۱) ایضاً ص ۸۱

(۱۲) احمد رضا بریلوی، امام، المعتقد المنتقد (مطبوعہ مکتبۂ حامدیہ لاہور) ص ۲۳۹

(۱۳) احمد رضا بریلوی، امام، حسام الحرمین (مطبوعہ مکتبۂ نبویہ لاہور) ص ۷-۱۵

(۱۴) احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (طبع مبارک پور) ج ۶ ص ۵۸

(۱۵) احمد رضا بریلوی، امام، مجموعہ رسائل ردِ مرزائیت (مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور) ص ۴۴

(۱۶) ایضاً ص ۲۶

(۱۷) خالد شبیر احمد، پروفیسر، تاریخ محاسبۂ قادیانیت (مطبوعہ فیصل آباد) ص ۴۵۵

(۱۸) ایضاً ص ۴۶۰

(۱۹) احسان الٰہی ظہیر، البریلویہ عربی (طبع لاہور) ص ۱۹-۲۰

(۲۰) عبدالوحید بیگ، مرزا، ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، شمارہ جون ۱۹۸۸ء

[یہ مقالہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی/ اسلام آباد کی طرف سے 'ہالی ڈے ان' اسلام آباد میں منعقد ''امام احمد رضا کانفرنس'' میں پڑھا گیا۔]

☆☆☆

امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ پر

ایک بہتان کا ازالہ

ترتیب: خلیل احمد رانا

خانیوال، پنجاب، پاکستان

امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی قدس سرہٗ پر جہاں کئی ایک جھوٹے، بے بنیاد اور من گھڑت الزام واتہام لگائے جاتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

''والجدیر بالذکر ان المدرس الذی کان یدرسہ مرزا غلام قادر بیک کان اخاللمرزا غلام احمد المتنبی القادیانی.''

(احسان الٰہی ظہیر، البریلویہ (عربی)، مطبوعہ لاہور، ص ۲۰)

ترجمہ: یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان کا استاد مرزا غلام قادر بیگ، مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی تھا۔ (احسان الٰہی ظہیر، البریلویہ (اُردو)، مطبوعہ لاہور، ص ۴۱)

عرب کے ایک نجدی قاضی عطیہ محمد سالم نے کتاب ''البریلویہ'' پر تقدیم لکھی اور قاضی ہونے کے باوجود بغیر تحقیق کے کہا:

''بریلویہ کے بانی کا پہلا استاذ، مرزا غلام قادر بیگ، مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی تھا، لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ قادیانیت اور بریلویت دونوں استعمار کی خدمت میں بھائی بھائی ہیں۔''

(عطیہ محمد سالم، تقدیم البریلویہ (عربی)، مطبوعہ لاہور، ص ۴)

بغض اور حسد ایسی روحانی مہلک بیماریاں ہیں کہ جب انسانی دل ودماغ پر اثر انداز ہوتی ہیں تو انسان میں حق وانصاف کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے، تحقیق اور حق کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں اور انسان شکوک وشبہات کی عمیق دلدل میں پھنس کر راہِ حق اور صراطِ مستقیم سے کوسوں دور ہوجاتا ہے۔

احسان الٰہی ظہیر غیر مقلد بھی ایسی خطرناک بیماریوں کا شکار ہوا، اور ایک صالح عاشقِ رسول پر بے جا بہتان لگایا، اب تو دُنیا میں تعصب کے اندھے حواری واہ واہ کردیں گے، مگر میدانِ محشر میں احسان الٰہی ظہیر اور اس کے حواریوں کے پاس اس بہتان کا کیا جواب ہوگا؟

قارئین کرام! امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے ابتدائی کتب کے استاذ مولانا مرزا غلام

قادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ اور مرزا غلام قادر بیگ گورداس پوری دو الگ الگ شخصیتیں ہیں ، فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے استاذ کو مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی کہنا تحقیق ومطالعہ سے یتیم ، سراسر ظلمِ عظیم اور بغضِ رضا کا سبب ہے ، یہ دھاندلی اسی وقت تک چلتی ہے جب تک حقیقت سامنے نہ ہو، لیکن جب سحر طلوع ہوتی ہے تو اندھیرے بھاگنا شروع ہو جاتے ہیں۔

مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ بریلوی بن حکیم مرزا حسن جان بیگ علیہ الرحمہ

حضرت مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ بن حکیم مرزا حسن جان بیگ لکھنوی یکم محرم الحرام ۱۲۴۳ھ/ ۲۵/ جولائی ۱۸۲۷ء کو محلّہ جھوائی ٹولہ لکھنؤ (یوپی، ہندوستان) میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد نے لکھنؤ سے ترک سکونت کر کے بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی، آپ کی رہائش بریلی شہر کے محلّہ قلعہ میں جامع مسجد کے مشرقی جانب تھی، آپ کا رہائشی مکان بریلی شریف میں اب بھی موجود ہے، آپ کے بھائی مولانا مرزا مطیع اللہ بیگ بریلوی علیہ الرحمہ کے صاحب زادے مولانا مرزا محمد جان بیگ رضوی علیہ الرحمہ نے خاندانی تقسیم کے بعد ۱۹۱۴ء میں پرانے شہر بریلی میں سکونت کر لی تھی، مگر مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ کی سکونت محلّہ قلعہ ہی میں رہی۔

آپ کا خاندان نسلاً ایرانی یا ترکستانی مغل نہیں ہے بلکہ مرزا اور بیگ کے خطابات اعزاز ، شاہانہ مغلیہ کے عطا کردہ ہیں، اسی مناسبت سے آپ کے خاندان کے ناموں کے ساتھ مرزا اور بیگ کے خطابات لکھے جاتے رہے ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے، حضرت احرار رحمۃ اللہ علیہ نسلاً فاروقی تھے، اس طرح آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔

مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر اور اس کے والد، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سے بیعت تھے، اس لیے بابر اور اس کے جانشین، حضرت خواجہ احرار کی اولاد سے فیضِ روحانی حاصل کرتے رہے، لیکن جلال الدین اکبر کے دور میں یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور اس خاندان کے بزرگ واپس وطن لوٹ گئے، مغل بادشاہ نور الدین جہانگیر نے اپنے دور میں اپنے خاندانی بزرگوں سے رجوع کیا، لہٰذا اس خاندان کے بزرگ تاجکستان سے پھر ہندوستان آ گئے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجدادِ کرام بھی شاہانِ مغلیہ سے وابستہ رہے ہیں، اسی زمانہ سے ان دونوں خاندانوں کے قریبی روابط رہے ہیں، مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ کے حقیقی بھائی مولانا مرزا مطیع اللہ بیگ علیہ الرحمہ کے پوتے مرزا عبد الوحید بیگ بریلوی کی دو ہمشیرگان

امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے خاندان میں بیاہی گئیں، ایک حضرت مفتی تقدس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے تایا زاد بھائی حافظ ریاست علی خاں مرحوم کو اور دوسری فرحت علی خاں کے فرزند شہزادے علی خاں مرحوم کو۔

مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ کے بھائی مولانا مرزا مطیع اللہ بیگ جب جامع مسجد بریلی کے متولی مقرر ہوئے تو آپ نے مسجد سے ملحقہ امام باڑہ سے علَم اور جھنڈے وغیرہ اتروا دیے، آپ کے اس فعل سے بعض جاہل شر پسند رافضی لوگ آپ کے خلاف ہو گئے، تو اس وقت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے دادا مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا تھا کہ متولی مسجد صحیح العقیدہ سُنّی حنفی ہیں اور عمارتِ مسجد سے امام باڑہ کو ختم کرنا شرعاً جائز ہے، یہ فتویٰ کرم خوردہ آج بھی بریلی شریف میں مولانا مرزا مطیع اللہ بیگ علیہ الرحمہ کے پوتے مرزا عبد الوحید بیگ کے پاس موجود ہے۔

مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ اور امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان محبت ومروت کے پرخلوص تعلقات تھے، اس لیے مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی تعلیم اپنے ذمہ لے لی تھی، آپ کے دیگر تلامذہ آپ کے مطب واقع محلّہ قلعہ متصل جامع مسجد بریلی ہی میں درس لیا کرتے تھے، مگر صغر سنی اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو ان کے مکان پر ہی درس دیتے تھے۔(۱)

امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ابتدائی کتابیں، میزان، منشعب وغیرہ مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ سے پڑھیں۔(۲)

مولانا عبد المجتبیٰ رضوی لکھتے ہیں:

’’اُردو اور فارسی کی ابتدائی کتب آپ (مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ) نے مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ سے پڑھیں‘‘۔(۳)

پروفیسر محمد ایوب قادری (کراچی)، بریلی کے اسلامی مدارس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’مولانا محمد احسن نے بریلی کے اکابر وعمائد کے مشورہ اور معاونت سے ایک مدرسہ باسم تاریخی ’’مصباح التہذیب‘‘ ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۲ء میں قائم کیا......اس مدرسہ کے پہلے مہتمم مرزا غلام قادر بیگ تھے‘‘۔(۴)

مولوی محمد حنیف گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں:

’’اس مدرسہ (مصباح التہذیب) کے پہلے مہتمم مرزا غلام قادر بیگ تھے اور مولوی سخاوت

حسین، سید کلب علی، مولوی شجاعت، حافظ احمد حسین اور مولوی حافظ حبیب الحسن درس دیتے تھے‘‘۔(۵)

ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

’’میں نے جناب مرزا صاحب مرحوم ومغفور (مولانا مرزا غلام قادر بیگ) کو دیکھا تھا، گورا چٹا رنگ، عمر تقریباً اسّی سال، داڑھی سر کے بال ایک ایک کر کے سفید، عمامہ باندھے رہتے، جب کبھی اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا خاں) کے پاس تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت بہت ہی عزت وتکریم کے ساتھ پیش آتے، ایک زمانہ میں جناب مرزا صاحب کا قیام کلکتہ امر تلالین میں تھا، وہاں سے اکثر سوالات جواب طلب بھیجا کرتے تھے، فتاویٰ رضویہ میں اکثر استفتا اُن کے ہیں، انھیں کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ ’تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین‘‘ (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) تحریر فرمایا ہے۔‘‘(۶)

مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی مرزا غلام قادر ۱۸۸۳ء میں فوت ہوا، جب کہ مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ ۱۸۸۷ء میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ سے استفتا کر رہے ہیں، فوت ہونے کے چار سال بعد استفتا کیسے کیا جا سکتا ہے؟

اس رسالہ کا ایک ایڈیشن مطبوعہ مطبع اہلِ سُنّت وجماعت بریلی، بار دوم ۱۳۳۰ھ راقم الحروف (خلیل احمد) کی نظر سے بھی گزرا ہے، اور ایک ایڈیشن ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور نے بھی شائع کیا۔

فتاویٰ رضویہ، جلد سوئم، مطبوعہ مبارک پور (ہندوستان) کے صفحہ ۸؍ پر ایک استفتا ہے جو مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ نے ۲۱؍ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ کو ارسال کیا تھا۔

فتاویٰ رضویہ، جلد گیارہ، مطبوعہ بریلی (ہندوستان)، باراوّل کے صفحہ ۴۵؍ پر ایک استفتا ہے جو مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ نے کلکتہ دھرم تلا نمبر ۱؍ سے ۵؍ جمادی الآخر ۱۳۱۲ھ کو ارسال کیا تھا۔

مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ کے دو فرزند اور دو دختران تھیں، دونوں دختران فوت ہوگئیں، بڑی دختر کے ایک پسر اور چھوٹی دختر کی اولاد بریلی شریف میں سکونت پذیر ہے، فرزند اکبر مولانا حکیم مرزا عبدالعزیز بیگ علیہ الرحمہ اور دوسرے فرزند حکیم مرزا عبدالحمید بیگ علیہ الرحمہ تھے۔

مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

’’خدا کے فضل سے (مولانا غلام قادر بیگ) صاحبِ اولاد ہیں، ایک صاحب زادہ جن کا نام

نامی مرزا عبدالعزیز بیگ ہے، دینیات سے واقف اور طبیب ہیں...... بریلی کی جامع مسجد کے قریب مکان ہے پنج وقتہ نماز اسی مسجد میں ادا کیا کرتے ہیں۔‘‘(۷)

مولانا حکیم مرزا عبدالعزیز بیگ پہلے رنگون (برما) میں رہے، پھر کلکتہ میں طبابت کی، ایامِ جوانی میں کلکتہ ہی میں سکونت رکھی، چناں چہ مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ کبھی کبھی اپنے فرزند اکبر کے پاس کلکتہ تشریف لے جاتے تھے، پھر حکیم مرزا عبدالعزیز بیگ آخری ایام میں کلکتہ سے ترکِ سکونت کر کے بریلی شریف آ گئے تھے اور وفات تک اپنے آبائی مکان میں سکونت پذیر رہے، آپ بڑے ہی علم وفضل والے، عابد، تہجد گزار، متقی اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔(۸)

مولانا حکیم مرزا عبدالعزیز بیگ علیہ الرحمہ کا وصال ۱۴/۱۵؍شعبان ۱۳۷۴ھ کی درمیانی شب کو بریلی شریف میں ہوا، (۹) اور آپ لاولد فوت ہوئے۔(۱۰)

دوسرے صاحب زادے مرزا عبدالحمید بیگ پہلے ریاست بھوپال میں رہے، پھر پیلی بھیت کے اسلامیہ انٹر کالج میں ملازم رہے، وہیں آپ کا وصال ہوا، مجرد تھے۔

مرزا محمد جان بیگ رضوی کی بیاض کے مطابق مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کا وصال یکم محرم الحرام ۱۳۳۶ھ/ ۱۸؍اکتوبر ۱۹۱۷ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا اور محلّہ باقر گنج واقع حسین باغ بریلی میں دفن ہوئے، آپ کے بھائی مرزا مطیع اللہ بیگ علیہ الرحمہ بھی وہیں دفن ہیں۔(۱۱)

حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے ’’حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی‘‘ مطبوعہ سیال کوٹ اور ’’حیاتِ امامِ اہلِ سُنّت‘‘ مطبوعہ لاہور میں مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ کا جوسنِ وفات ۱۸۸۳ء تحریر کیا ہے، وہ درست نہیں ہے۔

مرزا غلام قادر بیگ بن مرزا غلام مرتضیٰ

مرزا بشیر احمد بن غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

’’مرزا غلام مرتضیٰ بیگ جو ایک مشہور اور ماہر طبیب تھا، ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا غلام قادر اس کا جانشین ہوا، مرزا غلام قادر لوکل افسران کی امداد کے واسطے ہمیشہ تیار رہتا تھا اور اس کے پاس ان افسران جن کا انتظامی امور سے تعلق تھا، بہت سے سرٹیفکٹ تھے، یہ کچھ عرصہ تک دفتر ضلع گورداس پور میں سپرنٹنڈنٹ رہا، اس کا اکلوتا بیٹا صغرسنی میں فوت ہوگیا اور اس نے اپنے بھتیجے سلطان احمد کو متبنیٰ بنالیا تھا، جو غلام قادر کی وفات یعنی ۱۸۸۳ء/۱۳۰۱ھ تقریباً سے خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا تھا......اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مرزا غلام احمد جو مرزا غلام مرتضیٰ کا چھوٹا بیٹا تھا مسلمانوں کے

ایک بڑے مشہور مذہبی سلسلہ کا بانی ہوا، جو احمد یہ سلسلہ کے نام سے مشہور ہوا۔(۱۲)

مولوی ابوالقاسم رفیق دلاوری دیو بندی لکھتے ہے:

''ان دنوں مرزا غلام احمد قادیانی کے بڑے بھائی غلام قادر دینا نگر (ضلع گورداس پور) کی تھانے داری سے معزول ہو کر عملہ کے پیچھے جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے۔''(۱۳)

مولوی رفیق دلاوری دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''مرزا غلام مرتضیٰ نے ۱۸۷۶ء میں اسی سال کی عمر میں دنیائے رفتنی وگزشتنی کو الوداع کہا، ان کی سب سے بڑی اولاد مراد بی بی تھیں، جن کی شادی مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے بھائی محمد بیگ یعنی بیگم طال عمرہا کے حقیقی چچا سے ہوئی تھی، ان سے چھوٹے غلام قادر تھے، جنھوں نے اپنی حیاتِ مستعار کے پچپن مرحلے طے کر کے ۱۸۸۳ء میں سفرِ آخرت کیا، ان سے شاہد جنت نام ایک لڑکی تھی......اور سب سے چھوٹے مرزا غلام احمد صاحب تھے (سیرۃ المہدی)(۱۴)

مرزا غلام قادر بیگ کے نام انگریزی حکومت کا ایک مکتوب:

''دوستان مرزا غلام قادر رئیس قادیان حفظہٗ، آپ کا خط ۲/ماہ حال کا لکھا ہوا ملاحظہ ایں جانب میں گزرا۔''

''مرزا غلام قادر آپ کے والد کی وفات کا ہم کو بہت افسوس ہوا، مرزا غلام مرتضیٰ سرکار انگریز کا اچھا خیر خواہ تھا اور وفادار رئیس تھا، ہم خاندانی لحاظ سے آپ کی اسی طرح عزت کریں گے جس طرح تمہارے باپ کی کی جاتی تھی، ہم کسی اچھے موقع کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پابحالی کا خیال رکھیں گے۔

المرقوم ۲۹/جون ۱۸۷۶ء

الراقم سر رابرٹ ایجرٹن صاحب فنانشل کمشنر پنجاب''(۱۵)

سندِ خیر خواہی مرزا غلام مرتضیٰ ساکن قادیان:

''میں (مرزا غلام احمد قادیانی) ایک ایسے خاندان سے ہوں کہ جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے، میرا والد مرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا، جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن کی تاریخ ''رئیسانِ پنجاب'' میں ہے، اور ۱۸۵۷ء میں انھوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کی مدد کی تھی، یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیے تھے، ان خدمات کی وجہ سے جو چٹھیات خوش نودیِ حکام ان کو

ملی تھیں، مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہو گئیں مگر تین چٹھیاں جو مدت سے چھپ چکی ہیں ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئیں ہیں، پھر میرے والد صاحب کی وفات پر میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر، خدمات سرکاری میں مصروف رہا۔ الخ''

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

''یہ تحریر مرزا غلام احمد قادیانی کی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ یہ خاندان سرکارِ برطانیہ کا ہمیشہ وفادار رہا ہے اور ۱۸۵۷ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کے والد غلام مرتضیٰ اور بڑے بھائی مرزا غلام قادر نے سرکارِ برطانیہ کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیے اشتہار'' واجب الاظہار'' از مرزا غلام احمد قادیانی (قادیان ۱۸۹۷ء) نیز '' کشف الغطا'' از مرزا غلام احمد قادیانی، (قادیان ۱۹۰۶ء)''(۱۶)

خلاصۂ کلام:

(۱) مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان، اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وفادار تھے، جب کہ مرزا غلام قادر بیگ قادیانی، انگریزی حکومت کا وفادار اور قادیان کا رئیس تھا۔

(۲) مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی ماہرِ علوم دینیہ، کامیاب مدرس وطبیب تھے، جب کہ مرزا غلام قادر قادیانی دینا نگر (ضلع گورداس پور، مشرقی پنجاب، ہندوستان) کا معزول تھانے دار تھا۔

(۳) مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کے والد ماجد کا نام مرزا حسن جان بیگ لکھنوی ہے، جب کہ مرزا غلام قادر بیگ قادیانی کے والد کا نام مرزا غلام مرتضیٰ بیگ قادیانی ہے۔

(۴) مولانا مرزا غلام قادر بیگ کا سنِ وفات ۱۹۱۷ء ہے جب کہ مرزا غلام قادر قادیانی ۱۸۸۳ء میں فوت ہوا۔

(۵) مولانا مرزا غلام قادر بیگ کی عمر ۹۰/سال ہوئی، جب کہ مرزا غلام قادر قادیانی کی عمر ۵۵/سال ہوئی۔

(۶) مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ کے دو صاحب زادے حکیم مرزا عبدالعزیز بیگ اور مرزا عبدالحمید بیگ تھے جب کہ مرزا غلام قادر بیگ قادیانی کا ایک ہی بیٹا تھا جو صغر سنی میں فوت ہو گیا تھا۔

ان تمام حقائق وشواہد سے ثابت ہوا کہ مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ اور مرزا غلام قادر بیگ قادیانی، دو الگ الگ شخصیتیں ہیں، ان کو ایک شخصیت قرار دینا افترا اور دروغ گوئی کے

سوا کچھ نہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ماخذ و مراجع:

(۱) ماہ نامہ ''سنی دنیا'' بریلی، مضمون ''مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ بریلوی''، مضمون نگار، مرزا عبدالوحید بیگ، شمارہ جون ۱۹۸۸ء، ص ۳۷

(۲) مولانا ظفرالدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ کراچی، ج ۱، ص ۳۲

(۳) مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی، تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۳۹۴

(۴) پروفیسر محمد ایوب قادری، مولانا محمد احسن نانوتوی، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء، ص ۸۲

(۵) مولوی محمد حنیف گنگوہی، ظفرالمحصلین باحوال المصنفین، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۶ء، ص ۲۹۵

(۶) مولانا ظفرالدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ کراچی، ج ۱، ص ۳۲

(۷) مولانا ظفرالدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ کراچی، ج ۱، ص ۳۲

(۸) ماہ نامہ ''سنی دنیا'' بریلی، شمارہ جون ۱۹۸۸ء، ص ۴۰

(۹) مولوی عبدالعزیز خاں عاصیؔ (متوفی ۱۴/اپریل ۱۹۶۴ء)، تاریخ روہیل کھنڈ و تاریخ بریلی، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۳ء، ص ۲۹۹، ۳۰۰

(۱۰) ماہ نامہ ''سنی دنیا'' بریلی، شمارہ جون ۱۹۸۸ء، ص ۴۰

(۱۱) ماہ نامہ ''سنی دنیا'' بریلی، شمارہ جون ۱۹۸۸ء، ص ۴۰

(۱۲) سیرۃ المہدی، مطبوعہ قادیان ضلع گورداس پور (مشرقی پنجاب، انڈیا) ۱۹۳۵ء، ص ۱۳۵

نوٹ: ۷/ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں احمدیہ سلسلہ کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔

(۱۳) مولوی ابوالقاسم محمد رفیق دلاوری، رئیس قادیان، مطبوعہ مجلس ختم نبوۃ حضوری باغ روڈ ملتان، ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء، ج ۱، ص ۱۱

(۱۴) مولوی ابوالقاسم محمد رفیق دلاوری، رئیس قادیان، مطبوعہ ملتان ۱۹۷۷ء، ج ۱، ص ۱۱

(۱۵) (الف) مرزا بشیر احمد بن غلام احمد قادیانی، سیرۃ المہدی، طبع قادیان ۱۹۳۵ء، حصہ اول، ص ۱۳۴

(ب) ایضاً - پروفیسر محمد ایوب قادری، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۵۱۲

(۱۶) پروفیسر محمد ایوب قادری، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۵۰۸، ۵۰۹

☆☆☆

امام احمد رضا اور انگریز کی مخالفت

غلام مصطفیٰ رضوی

نوری مشن مالیگاؤں

gmrazvi92@gmail.com

کسی بھی شخصیت سے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اس کی تحریرات و تحقیقات واحوال کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ سُنی سُنائی باتوں پر کان دھرنا اہلِ علم و بصیرت کا شیوہ نہیں۔ مطالعہ کی بنیاد پر حقائق سامنے آتے ہیں۔ غلط فہمی کے غبار چھٹ جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (ولادت ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء؛ وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) عالم اسلام کی عبقری شخصیت تھے۔ دینی خدمات اور علمی تحقیقات کی بنیاد پر آپ کی ذات اہلِ علم و تحقیق کی نگاہوں کا محور و مرکز بن چکی ہے۔ دنیا کی بہت سی یونی ورسٹیوں میں آپ پر ڈاکٹریٹ کی جا رہی ہے، ۲۵/ سے زائد تھیسس لکھی جا چکی ہیں اور تحقیق کا مرحلۂ شوق ہر آن طے ہو رہا ہے، تحقیقاتِ علمیہ کے نئے نئے گوشے سامنے آ رہے ہیں۔ آپ کی تصانیف جن کی تعداد ہزار کے لگ بھگ ہے ان میں علم و تحقیق کا دریا موج زن ہے۔ آپ نے مسلکِ اسلاف کی خوب ترجمانی کی اور انگریز کے پیدا کردہ نئے فتنوں اور نظریات کا تحریری و عملی طور پر سدِّ باب کیا۔ خلافِ سنت راہوں کی مخالفت کی، بدعات کا خاتمہ کیا اور ان رسوم کی بھی مخالفت کی جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ آپ کے عہد میں جن نظریات نے سر اُبھارہ ان میں توہینِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنہ سرِ فہرست تھا۔ آپ نے کتاب وسُنّت اور راہِ اسلاف کی روشنی میں ان کا علمی و عملی تعاقب کیا۔ اور اس کے لیے مصلحت کوشی کی بجائے حق پسندی و سچائی سے کام لیا۔

وہ تحریکات جن کا رشتہ کسی نہ کسی طرح انگریز سے جا ملتا ہے انھیں امام احمد رضا کی کوشش وجد و جہد ایک آنکھ نہیں بھائی۔ یاد رکھیں جب قبولِ حق کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور قوتِ فکر و عمل مُردہ ہو جاتی ہے تو جھوٹ اور اتہام والزام کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہی کچھ معاملہ امام احمد رضا کے ساتھ ہوا۔ مخالفین نے بہتان و کذب سے کام لے کر چاہا کہ آپ کی خدمات کو دُھندلا دیا جائے؛ قدرت کو کچھ اور منظور تھا جس قدر مخالفت کی کوششیں ہوئیں شہرت و مقبولیت بڑھتی گئی۔ اربابِ علم و بصیرت نے مطالعہ کیا اور حیران و ششدر رہ گئے کہ کیا بتایا گیا تھا اور حقیقت کیا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
کردار میں گفتار میں اللہ کی بُرہان

امام احمد رضا بریلوی کی مخالفت کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی (م ۲۰۰۸ء) لکھتے ہیں: ''چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں امام احمد رضا کے خلاف ایک ہمہ گیر تحریک چلائی گئی۔ جس کے کئی اسباب تھے...... یہ اسباب زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں:

......امام احمد رضا نے مسلکِ اہلِ سُنّت وجماعت (سلفِ صالحین) کی پُرزور حمایت کی اور مجاہدانہ وسرفروشانہ سرگرم عمل ہوئے۔

......امام احمد رضا نے ابن عبدالوہاب نجدی کے زیرِاثر چلنے والی ہر تحریک کی مخالفت کی۔

......امام احمد رضا نے ہنود (مشرکین) کے زیرِاثر چلنے والی ہر سیاسی تحریک کی مخالفت کی۔

......امام احمد رضا سے مخالفت کی سب سے بڑی وجہ مسلکِ سلفِ صالحین پر ان کی بے پناہ استقامت اور اس کی اشاعت کے لیے ان کی سرگرمی اور اس مسلک کے مخالفین پر ان کی سخت تنقیدات معلوم ہوتی ہے۔

بہر کیف امام احمد رضا کی مصلحانہ، مجدّدانہ اور ناقدانہ مساعی کا شدید ردِّ عمل ہوا...... طرح طرح کے الزامات لگائے گئے اور ان کی تشہیر کے لیے پوری توانائیاں صرف کی گئیں۔''

(آئینۂ رضویات، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۴ء، ج ۴، ص ۳۷۔۳۸)

انھیں الزامات میں ایک نمایاں الزام یہ تھا کہ: ''وہ استعمار (انگریز) کے ایجنٹ ہیں۔'' (بریلویت، از احسان الٰہی ظہیر غیر مقلد، ادارہ ترجمان السنۃ لاہور، ص ۶۷) دیوبندی مکتبِ فکر کے محمود مانچسٹروی نے ''مطالعۂ بریلویت'' میں اور مولانا سرفراز صفدر نے ''عبارات اکابر'' میں اسی طرح کا الزام لگایا ہے۔ تاہم ان الزامات کی حقیقت اس وقت کھل جاتی ہے جب کوئی محقق دلیل تلاش کرتا ہے اور یہ پاتا ہے کہ تہمت لگانے والوں کے یہاں ایک بھی حوالہ موجود نہیں۔ بہرِ کیف! ضروری معلوم ہوا کہ اس الزام کو علم وتحقیق کی کسوٹی پر پرکھ لیا جائے۔ امید کہ صداقت وسچائی کو پیشِ نظر رکھ کر اس تحریر کا مطالعہ کیا جائے گا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ تحقیق میں جانب داری نہیں برتی جاتی، جو کھرا اور سچ ہوتا ہے وہی لکھا جاتا ہے۔ اہلِ علم کو چاہیے کہ حقائق کی روشنی میں حوالوں کا جائزہ لیں اس میں قیاس اور گمان سے پرے سچائی اور دُرست بات کو اہمیت دی جائے۔ یہی راقم کا مطالبہ اور اس تحریر کا مقصد ہے۔

دارالاسلام یا دارالحرب:

امام احمد رضا کے عہد کا ہندوستان دارالاسلام تھا یا دارالحرب یہ ایک شرعی مسئلہ ہے۔ آپ نے

دارالاسلام کہا، اور اس کے اسباب وعلل بھی بیان کیے۔ بعض طبقے کہتے ہیں کہ انگریز کی حمایت میں رضا بریلوی نے دارالاسلام کہا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اسی پہلو سے تجزیہ کرلیا جائے۔ اس رُخ سے امام احمد رضا نے ایک کتاب '**اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام**' تحریر فرمائی جس میں اس مسئلۂ شرعی کو اجاگر کیا کہ جہاں احکامِ اسلام جاری وساری ہوں وہ دارالاسلام ہے، اس پر بعض کم فہم واویلا مچاتے ہیں اور امام احمد رضا پر انگریز نوازی کا الزام دھرتے ہیں۔ دارالاسلام یا دارالحرب کا حکمِ شرعی بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے امامِ اعظم **رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنہ** بلکہ عُلمائے ثلٰثہ **رحمۃُ اللّٰہ تعالیٰ علیہم** کے مذہب پر ہندوستان دارُالاسلام ہے، دارُالحرب ہرگز نہیں ہے کہ دارُالاسلام کے دارُالحرب ہوجانے میں جو تین باتیں ہمارے امامِ اعظم **اِمامُ الْاَئِمَّہ رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنہ** کے نزدیک درکار ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں اَحکامِ شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعتِ اسلام کے اَحکام وشعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں۔ اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے۔ مگر یہ بات **بحمدِاللّٰہ** یہاں قطعاً موجود نہیں۔

اہلِ اسلام جمعہ وعیدین واَذان واِقامت ونماز باجماعت وغیرہا شعائرِ شریعت بغیر مزاحمت علی الِاعلان ادا کرتے ہیں۔

فرائض، نکاح، رضاع، طلاق، عِدَّت، رَجعت، مہر، نفقہ، حضانت، نسب، ہِبہ، وقف، وصیت، شفعہ وغیرہا بہت معاملاتِ مسلمین ہماری شریعتِ غرَّا بیضا کی بنا پر فیصل ہوتے ہیں کہ ان اُمور میں حضراتِ عُلما سے فتویٰ لینا اور اس پر عمل وحکم کرنا حُکّامِ انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے۔ اگرچہ ہنود ومجوس ونصاریٰ ہوں۔

اور **بحمدِاللّٰہ** یہ بھی شوکت وجبروتِ شریعتِ علیّہ عالیہ اسلامیہ **اَعلَی اللّٰہُ تعالیٰ حِکمَھَا السّامِیۃ** ہے کہ مخالفین کو بھی اپنی تسلیم اِتباع پر مجبور فرماتی ہے۔ **وَالحمدُلِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمین**.

فتاویٰ عالم گیریہ میں سراجِ وَھّاج سے نقل کیا:

اِعْلَمُوا اَنَّ دَارَالحَرْبِ تَصِیرُ دَارَالْاِسلامِ بِشَرطٍ وَاحِدٍ وَ ھُوَ اِظھارُ حُکمِ الْاِسلامِ فِیھا. جان لو کہ بے شک دارُالحرب ایک ہی شرط سے دارُالاسلام بن جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہاں اسلام کا حکم غالب ہوجائے۔'' (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج ۱۴، ص ۱۰۵، ۱۰۶، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کی شرعی حیثیت پر جمہور علماے اسلام کا یہی حکم تھا، مولانا یٰسٓ اختر مصباحی (بانی وصدر دارالقلم دہلی) لکھتے ہیں:

''جس وقت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے ہندوستان کو دارُالاسلام کہا اُس وقت اور اُس زمانہ میں ہندوستان کے کسی مُستند عالم ومفتی نے اسے دارُالحرب کہا ہو تو یہ اس کا تفرُّد ہے۔ جمہور علُما اسے دارُالاسلام ہی سمجھتے اور کہتے رہے ہیں۔''

(علماے اہلِ سُنّت کی بصیرت وقیادت، مجلسِ رضا لدھیانہ ۲۰۱۲ء، ص ۱۳۴)

جو لوگ امام احمد رضا پر ہند کو دارالاسلام قرار دینے کو بنیاد بنا کر انگریز نوازی کا الزام لگاتے ہیں انھیں کے مسلک کے علمانے دارالاسلام کہا اور لکھا اس بابت چند دلائل درج کیے جاتے ہیں، تاکہ سند رہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ضمن میں کہتے ہیں:

''شاید کسی کو شُبہہ ہو کہ غدر سے تو امانِ اول باقی نہیں رہا بلکہ عہدِ ثانی کی ضرورت ہوئی۔ اول تو یہ بات غلط ہے۔ غدر میں صرف باغیوں کو اندیشہ تھا۔ عام رعایا سرکار سے بالکل مطمئن تھی۔ دوسری سَلّمنا غایت سے غایت یہ ہوگا کہ:

بعض کے لیے امانِ اول باقی ہے بعض کے لیے امانِ ثانی۔ یہ بھی مثل دونوں اِجراؤں یا دونوں اِتصالوں کے ہوگا اور ترجیح دارُالاسلام کو دی جائے گی۔ اور اگر بِالفرضِ و التَّقدیر اس صورت میں دارُالحرب بھی ہو گیا تب بھی دارُالحرب اِجراے احکامِ اسلام مثلِ جمعہ وعید سے دارُالاسلام ہو جاتا ہے۔ فی الدُّرِّ المُختار: وَ دارُالحرب تصیرُ دَارَالاِسلام بِاجراءِ اَحکامِ اَھلِ الاِسلام فیھا کَجُمعۃٍ و عِیدٍ. اِن بَقِیَ فِیھا کَافِرٌ اَصلیٌّ و اِن لَّم تَتَّصِلْ بِدَارِ الاسلام. اس صورت میں بھی ہندوستان دارُالاسلام ہوگا۔''

(تَحذِیرُ الاِخوان عنِ الرِّبٰو فی الھندوستان، ازمولانا اشرف علی تھانوی، ص ۹، اشرف المطابع، تھانہ بھون؛ مرجع سابق، ص ۱۴۲۔۱۴۳)

اس ضمن میں متعدد اہم حوالے مولانا یٰسٓ اختر مصباحی نے اپنی کتاب ''علماے اہلِ سُنّت کی بصیرت واستقامت''، مطبوعہ مجلسِ رضا لدھیانہ میں درج کیے ہیں، جنھیں بلا تبصرہ تحریر کیا جاتا ہے:

غیر مقلّد محدث مولانا نذیر حسین بہاری ثم دہلوی (متوفی ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) کے بارے میں اُن کے سوانح نگار مولانا فضل حسین بہاری (متوفی ۱۹۱۶ء) لکھتے ہیں کہ:

''ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے دارالحرب کبھی نہ کہا۔'' (الحیات

بعد الممات، مولانا فضل حسین، الکتاب انٹرنیشنل دہلی، ص ۹۷)

غیر مقلّد عالم ومصنّف نواب صدیق حسن بھوپالی (متوفی ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) لکھتے ہیں:

''پس فکر کرنا ان لوگوں کا جو اپنے حکمِ مذہبی سے جاہل ہیں اِس اَمر میں کہ برٹش حکومت مِٹ جاوے اور یہ امن وامان جو آج حاصل ہے، فساد کے پردے میں جہاد کا نام لے کر اٹھا دیا جائے، سخت نادانی و بے وقوفی کی بات ہے۔

بھلا ان عاقبت نااندیشوں کا چاہا ہوگا یا اس پیغمبرِ صادق کا فرمایا ہوگا جس کا کہا ہُوا آج ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔''

(ترجمانِ وھابیہ، ازنواب صدیق حسن بھوپالی، ص ۷، مطبع محمدی لاہور، مطبوعہ ۱۳۱۲ھ)

''خُفیہ جن سے یہ ملک بھرا پڑا ہے، ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دارُالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارُالاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنیٰ؟ بلکہ عزمِ جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔''

(ترجمانِ وھابیہ، ازنواب صدیق حسن بھوپالی، ص ۱۵، مطبع محمدی لاہور)

''اس مقام پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہندوستان دارُالحرب ہی ہو تو بھی حُکّامِ انگلشیہ کے ساتھ جو یہاں کے رئیسوں کا عہد اور صلح ہے اس کا توڑنا بڑا گناہ ہے۔'' (ص ۲۶، حوالۂ مذکورہ)

لفظ ''وھابی'' کی جگہ ۱۸۸۸ء میں حکومتِ انگلشیہ سے ''اہلِ حدیث'' نام رجسٹرڈ کرانے والے معروف غیر مقلّد عالم وصحافی ووکیل مولانا محمد حسین بٹالوی (متوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء) لکھتے ہیں:

''جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی ہو وہ شہر یا ملک دارُالحرب نہیں کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو اور اَقوامِ غیر نے اس پر تغلُّب سے تسلُّط پالیا ہو تو جب تک اس میں ادائے شعائرِ اسلام کی آزادی ہے وہ بحُکمِ حالتِ قدیم دارُالاسلام کہلاتا ہے۔

(الاِقتِصاد فی مسائلِ الجہاد، ازمحمد حسین بٹالوی، ص ۱۹، وکٹوریہ پریس لاہور)''

(علماے اہلِ سُنّت کی بصیرت وقیادت، یٰسٓ اختر مصباحی، مجلسِ رضا لدھیانہ ۲۰۱۲ء، ص ۱۴۵۔۱۴۶)

ایک شبہہ یہ ہوسکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں علمانے انگریز سے جہاد کا فتویٰ کس بنیاد پر دیا تھا، اس کی توضیح کرتے ہوئے مولانا یٰسٓ اختر مصباحی لکھتے ہیں: ''اپنے وقت میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدِّث دہلوی نے ۱۸۰۳ء کے چند سال بعد برطانوی سامراج کے پنجۂ اِستبداد میں پھڑ پھڑاتے اور

شعائرِ اسلام کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر ہندوستان کے دارُالحرب ہونے کو ترجیح دی اور انھیں کے تلمیذِ رشید علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء) نے ۱۸۵۷ء میں برطانوی سامراج اور غاصب و قابض انگریزوں کے خلاف جامع مسجد دہلی میں تقریر کی اور فتواے جہاد دِیا جس پر اس وقت کے مشہور عُلما کی تحریری تصدیقات ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کے لیے اس وقت کے عُلماے کرام نے متعدّد فتاویٰ اس کے علاوہ بھی جاری کیے۔ ایک فتویٰ پر حضرت مفتی صدرالدین آزردہ، صدرُ الصُّد ور دہلی (متوفی ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) شاگرد شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کا بھی دستخط ہے۔ مزید فتاویٰ بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں زبانی و تحریری طور پر جاری ہوئے۔ جن میں مفتی عنایت احمد کاکوری (وصال شوال ۱۲۷۹ھ/ اپریل ۱۸۶۳ء) و مولانا سید کفایت علی کافؔی مرادآبادی (وصال ۱۲۷۴ھ/ مئی ۱۸۵۸ء) و مفتی مظہر کریم دریابادی (وصال ۱۴/ ۱اکتوبر ۱۸۷۳ء) کے تحریری فتاویٰ شامل ہیں۔ عُلماے اہلِ سُنّت کے یہ فتاویٰ انقلابِ ۱۸۵۷ء کے پیشِ نظر بالکل صحیح اور درست تھے۔''

(علماے اہلِ سُنّت کی بصیرت و قیادت، مجلسِ رضا لدھیانہ ۲۰۱۲ء، ص ۱۴۴)

ترک موالات اور انگریز کی مخالفت:

گاندھی کے ایما پر خلافت تحریک نے تحریک ترک موالات (نان کوآپریشن) چلائی۔ جب کہ اس کو صرف مسلم کمیونٹی میں چلوایا گیا، ہندو مہاسبھا نے اسے کیوں نہیں قبول کیا؟ یہ سوال جواب طلب ہے۔ اگر یہ تحریک انگریز مفاد پر ضربِ کاری تھی تو ہندو مسلم اتحاد کے داعی گاندھی و کارکنانِ خلافت تحریک کو اسے ہندوؤں میں بھی چلانا تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ غیر مقلد عالم احسان الٰہی ظہیر نے بلا دلیل یہ بات لکھ دی:

''جناب احمد رضا نے تحریک ترک موالات کی بھی شدید مخالفت کی کیوں کہ انھیں خطرہ تھا کہ یہ تحریک انگریز کے زوال کا باعث بنے گی۔''

(بریلویت تاریخ و عقائد، احسان الٰہی ظہیر، ادارۂ ترجمان السنۃ لاہور، ص ۶۵)

اس پر چند معروضات استدلال کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔

ترک موالات کے پس منظر میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں:

''۱۹۲۰ء میں کانگریس کے قوم پرست ہندو مسلمان اور تحریک خلافت کے داعی اپنے مشترکہ دشمن انگریز کے خلاف متحد ہو گئے۔ ہر شخص ترکِ موالات پر تلا ہوا نظر آتا تھا، مخالفت کی کسی کو جرأت نہ تھی، جوشِ جنوں میں انگریزوں سے ترکِ موالات بلکہ ترک معاملت کر کے کفار و مشرکین سے دوستی و

محبت کے لیے ہاتھ بڑھایا گیا۔''

(فاضل بریلوی اور ترک موالات، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۳۸)

انگریز کے ساتھ ہی ہنود بھی مسلمانوں کے دشمن تھے اور نقصان پہنچانے کے درپے۔ اس لیے یہ عجیب بات تھی کہ ایک دشمن کی مخالفت میں دوسرے دشمن کو گلے لگایا جا رہا تھا، بات یہاں تک پہنچی کہ اسلامی شعائر و مراسم ترک کر کے مشرکین کو خوش کرنے کے لیے جتن کیے جا رہے تھے۔ حالات کی ابتری اور مشرکین سے اتحاد کے منفی نتائج اس دور کے شاہد پروفیسر سید سلیمان اشرف (سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ) کے قلم سے مطالعہ کریں:

''یہ نتیجہ آج اسی عنایت اور قِران کا ہے جو گائے کی قربانی مسلمانوں سے چھوڑائی جاتی ہے، موحدین کی پیشانیوں پر قشقہ جو شعارِ شرک ہے کھینچا جاتا ہے، مساجد اہلِ ہنود کی تفریح گاہیں، مندر مسلمانوں کا ایک مقدس معبد ہے۔ ہولی شعارِ اسلام ہے، جس میں رنگ پاشی اور وہ بھی خاص اہلِ ہنود کے ہاتھوں سے جب کہ وہ نشۂ شراب میں بدمست ہوں عجب دل کش عبادت ہے، بتوں پر ریوڑیاں چڑھانا ہار پھولوں سے انھیں آراستہ کرنا، پھولوں کا تاج اصنام کے سروں پر رکھنا خالص توحید ہے، یہ سارے مسائل ان صورتوں میں اس لیے ڈھل گئے کہ ہندوؤں کی دل نوازی اور استرضا سے زیادہ اہم نہ توحید ہے نہ رسالت نہ معاد۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔''

(موالات و معاملات کا شرعی حکم، مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ص ۸)

حالات کی نزاکت اور اسلام پر ہنود کے حملے اس پر انگریز کی چیرہ دستیاں مذکورہ اقتباس سے ظاہر ہیں۔ امام احمد رضا نے انگریزی سازشوں کے ساتھ مشرکین کی سازشوں سے باخبر رہنے کی تلقین کی اسی لیے فرماتے ہیں:

''یہ کون سا دین ہے؟ نصاریٰ کی اَدھوری سے اِجتناب اور مشرکین کی ''پوری'' میں غرق آب؟ فَرَّمِنَ المَطرِ وَ وَقفَ تَحتَ المِیزاب۔ مینھ سے بھاگ کر چلتے پرنالہ کے نیچے ٹھہرے۔''

(اَلْمَحَجَّۃُ المُؤتَمنۃ، ص ۱۴، مشمولہ فتاویٰ رضویہ جلد ۱۴، مطبوعہ برکات رضا پور بندر گجرات)

ترک موالات سے نقصان مسلمانوں کا ہوا، علی گڑھ یونی ورسٹی میں طلبا کا تعلیمی نقصان ہوا، اساتذہ معاشی مشکلات کا شکار ہوئے، جب کہ ہندو یونی ورسٹی بنارس میں سب کچھ معمول کے مطابق جاری رہا، گاندھی نے مسلمانوں کی جائز نوکریاں چھڑائیں تا کہ مسلمان مفلوک الحال ہو جائیں۔ طلبا کو تعلیم سے رکوایا تا کہ تعلیمی لائن میں سب سے کم زور ہو جائیں۔ ترک موالات کے طوفان نے مسلمانوں

کو تعلیمی سطح پر کم زور کر کے رکھ دیا اسی کا نتیجہ تھا کہ آزادی کی صبح قریب آنے سے پہلے ہی علم سے مسلمانوں کا رشتہ کم زور کر دیا گیا، انگریز کے رخصت کے بعد اعلیٰ عہدوں پر ہندو براجمان ہوئے، گاندھی کے ایما پر چلائی جانے والی تحریک ترک موالات کی امام احمد رضا نے مخالفت کی تو اس کے نتائج بھی سامنے ہیں کہ گاندھی کا مقصد مسلمانوں کا علم سے رشتہ و تعلق کم زور کرنا تھا۔ ترک موالات نے مسلمانوں کو پچھاڑ دیا، ہندو آگے بڑھتے گئے، مسلمان اور پیچھے ہوتے گئے۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ ہمارے موقف پر دلیل ہے۔

موالات سے متعلق امام احمد رضا نیز علمائے اہل سنت کا موقف بیان کرتے ہوئے شاگردِ رضا مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ (متوفی ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء) اجلاس جمعیۃ العلماء ہند مارچ ۱۹۲۱ء میں مولانا آزاد کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہمیں تُرکی کی اسلامی سلطنت کی ہم دردی و اِعانت سے انکار نہیں۔ یہ امداد و اِعانت تمام مسلمانانِ عالم پر فرض ہے۔ نہ ہی ہم انگریزوں کی دوستی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام اور حرامِ قطعی ہے۔ ہمیں تو ہندو مسلم اتحاد اور اس اتحاد کی بنا پر کیے جانے والے غیر اسلامی افعال و اقوال سے اختلاف ہے۔'' (روداد مناظرہ، طبع دوم، مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء)

امام احمد رضا کی دوررَس نگاہ دیکھ رہی تھی کہ ہندوؤں سے اتحاد صرف مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوگا اور ہوا یہی، جو لوگ ترکِ موالات کے سلسلے میں امام احمد رضا کی مخالفت کرتے ہیں وہ بتائیں کہ آزادی کے بعد سے ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ کتنی اور کیسی ہم دردی کی؟ کیا مسلمانوں کے لہو سے ہولی نہیں کھیلی گئی؟ اہانتِ مسلمین کا کوئی موقع مشرکین نے ہاتھ سے جانے دیا؟ فسادات کی سیاہ تاریخ مشرکین کی مسلم دشمنی پر غماز ہے، بابری مسجد کی شہادت بھی انھیں فرقہ پرستوں نے کی جن سے اتحاد کی امام احمد رضا نے شدید مخالفت کی تھی۔ ان حقائق کے باوجود یہ کہنا ''جناب احمد رضا خاں صاحب انگریزوں کے مفاد کے لیے کام کر رہے تھے۔'' (بریلویت تاریخ و عقائد، احسان الٰہی ظہیر، ادارۂ ترجمان السنۃ لاہور، ص ۶۷) تاریخ سے جہل وہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔

اس دور میں امرا و نوابین کے قصیدے کہنا کوئی معیوب بات نہ تھی۔ شعرا و ادبا میں یہ رواج تھا کہ قصائد کے ذریعے مالی منفعت حاصل کیا کرتے تھے۔ امام احمد رضا کی شاعرانہ عظمت اور بلندیِ فکر کا شہرہ برصغیر ہی کیا عرب تک پھیلا ہوا تھا لیکن آپ نے کسی امیر و نواب کی مدح و ستائش کو بھی اپنے لیے ناروا جانا، پھر بھلا کیسے وہ انگریز کے مفاد یا مدح کو پسند کرتے جب کہ ان کے تمدن تک سے نفرت کرتے

تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں:

''فاضل بریلوی نے ترک موالات کی مخالفت اس لیے نہیں فرمائی کہ وہ انگریزوں کے حامی و ناصر تھے، یا ان کی ہم دردیاں حاصل کرنا چاہتے تھے بلکہ انھوں نے مخالفت سے شرعی تقاضوں کو پورا فرمایا، جس مردِ کامل نے کسی مسلمان نواب یا امیر کی مدح سرائی نہ کی ہو اور جب نوابِ ریاست نان پارہ کے لیے قصیدہ کہنے کی فرمائش کی گئی تو یہ کہہ کر بات ٹال دی ہو ؂

کروں مدح اہلِ دول رضؔا پڑے اس بلا میں مِری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مِرا دین پارۂ ناں نہیں

بھلا وہ انگریز دشمنِ اسلام کا پاس و لحاظ کیا رکھتا۔''

(فاضل بریلوی اور ترک موالات، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۳۴)

شوکت صدیقی لکھتے ہیں: ''ان کے بارے میں وہابیوں کا یہ الزام کہ وہ انگریزوں کے پروردہ تھے، یا انگریز پرست تھے نہایت گم راہ کن اور شر انگیز ہے...... وہ انگریز اور اس کی حکومت کے اس قدر کٹر دشمن تھے کہ لفافہ پر ہمیشہ الٹا ٹکٹ لگاتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ ''میں نے جارج پنجم کا سر نیچا کر دیا'' انھوں نے زندگی بھر انگریزوں کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کیا۔''

(ہفت روزہ الفتح کراچی، شمارہ ۱۴-۲۱، مئی ۱۹۷۶ء، ص ۱۷)

علما کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہوا کے رُخ کو نہ دیکھیں شریعت کے فیصلے دیکھیں، اگر شریعت کا کوئی فیصلہ حالیہ سیاست کے خلاف ہو تو لیڈروں کی رضا مندی کی بجائے اللہ کریم کی خوش نودی کو ترجیح دے کر دنیا پر آخرت کو فائق رکھیں، یہی عالمِ حق کی علامت ہے کہ وہ اسلامی شریعت کو ہر جگہ مقدم رکھتا ہے اور کسی کی ناراضی کی پروا نہیں کرتا۔ امام احمد رضا کا یہی اسلامی کردار اور حفظِ شریعتِ مطہرہ کا پاس و لحاظ ان کے مخالفین کو نہیں بھایا اور انھوں نے شریعت کے احکام پر طبیعت کو غالب کر لیا۔ مشرکین کی خوشی چاہنے کے لیے اسلامی فیصلوں کی مطلق پروا نہیں کی۔ یہ المیہ ہے اسی وجہ سے ملک میں مسلمان مسلسل ستائے جا رہے ہیں۔ اقتدار کے خواہاں علما اربابِ اقتدار کی جی حضوری کر کے مسلمانوں کو مسلسل زوال کی طرف لے جا رہے ہیں اور اس طرح اسلام مخالف قوتوں کے دست و بازو مضبوط کر کے مسلمانوں کا استحصال کر رہے ہیں۔ انھیں امام احمد رضا کی بے لوث اسلامی فکر اور شریعت کے تحفظ کے لیے مخلصانہ جذبات سے درسِ عمل لینا چاہیے۔

ترک موالات کی پشت پر اسلام دشمن قوم کے لیڈران تھے۔ وہ وہی تھے جن کو یہ خدشہ تھا کہ

اگر ملک آزاد ہوگیا تو مسلمان پھر حکمراں بن جائیں گے اس لیے انھوں نے سوراج کے قیام کے لیے ہر حربہ آزمایا اور مسلمانوں کو معاشی مشکلات میں مبتلا کرنے کے لیے نان کوآپریشن تحریک شروع کی۔ تحریک کے ابتدائی حامی مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے ایک خط سے تحریک کے پس منظر میں مشرکین کی موجودگی کی دھمک محسوس کی جاسکتی ہے:

''فقیر نان کوآپریشن کے مسئلہ میں بالکل پس رو گاندھی صاحب کا ہے کیوں کہ اس طریقِ کار کا واقف کار نہیں ہے، ان (گاندھی) کو اپنا راہ نما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں۔''

(موالات و معاملات کا حکم شرعی، مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ص ۲۶)

علما و مسلم عمائدین کسی مشرک کو راہ نما بنالیں تو اس کے کیا مضر اثرات رونما ہوں گے وہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ یہ راہ نمائی سیاسی تھی تو عرض ہے کہ مسلمان کے دینی و دُنیوی معاملات و امور بھی احکامِ دینی کے ہی تابع ہوتے ہیں۔ اسلام مکمل نظامِ زندگی ہے، سیاسی امور میں بھی اسلام کی راہ نمائی ایسی کامل ہے کہ اب کسی مشرک کی راہ نمائی کی کیا ضرورت؟ کیا کوئی مشرک مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے تحریک چلوائے گا؟ اس کا جواب حامیانِ تحریک نان کوآپریشن کے ذمہ باقی ہے۔

مشرکین سے اتحاد کے مُضر اثرات:

جن مولویوں نے مشرکین سے اتحاد کی ہر دور میں حمایت کی وہ ماضی تا حال تجزیہ کریں کہ اس اتحاد کا کتنا اور کون سا فائدہ مسلمانوں کو ہوا۔ فسادات کی بدترین تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی مقام پر مشرکین نے مسلمانوں کے لہو سے ہولی کھیلنے سے گریز نہ کیا۔ کثیر مسلم اکثریتی شہر مالیگاؤں میں بالترتیب ۲۰۰۶ء و ۲۰۰۸ء میں بم دھماکے کیے گئے جن میں ہندوتوا تنظیموں کا کردار سامنے آیا۔ ان دہشت گردانہ وارداتوں میں بہت سے مسلمان ہلاک و زخمی ہوئے، اسی قسم کے اور بھی دھماکے ملک میں مختلف مقامات پر عمل میں آئے۔ انھیں آڑ بنا کر مسلم نوجوانوں پر دہشت گردی کا الزام لگایا گیا۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے، پریشان کرنے اور انھیں ہی بدنام کرنے کے لیے کیا گیا۔ ہر فیلڈ میں مسلمانوں کو پچھاڑنے میں وہ پیش پیش رہے۔ مسلمانوں کی مساجد، مدارس، درگاہوں حتیٰ کہ خانقاہوں تک کو نہیں بخشا۔ ہر جگہ اسلامی مراسم و شعائر کے ترک پر زور دیا۔ تعلیمی میدان میں مسلمانوں کو کم تر دیکھنے کی انھیں آرزو رہی۔ لیکن اتحاد کے حامی آنکھیں موند کر اور نقصانات سے بے خبر غیر دانش مندانہ راگ اب بھی الاپ رہے ہیں۔ گجرات و آسام اور حالیہ مظفر پور کے مسلم کش فسادات انھیں سبق دینے کو شاید کافی نہیں! پھر وہ

سیکڑوں فسادات بھی تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں جو آزادی کے بعد سے وقوع پذیر ہوئے۔

مسلمانوں سے چھینی ہوئی سلطنت انگریز نے مسلم دشمن ہنود کو لوٹائی۔ یہ زخم بھی ان کی اسلام دشمنی کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ جس کا ایک پہلو ہنود کی انگریز سے خفیہ ساز باز بھی ہے۔

۱۹۲۱ء میں جب کہ سیاسی اعتبار سے بہت سی تحریکات افقِ ہند پر سرگرم عمل تھیں۔ ہنود سے اتحاد کا ماحول شباب پر تھا۔ پنڈت شردھانند نے مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کے لیے شدھی تحریک کی بنیاد رکھی جس کی زد میں بہت سے پچھڑے علاقے آگئے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے مذہب سے انحراف کر کے مرتد ہوگئی۔ اس کے انسداد و مقابلہ کے لیے امام احمد رضا کے تلامذہ و خلفا و احباب کا ایک وفد جماعت رضائے مصطفیٰ کی معیت میں سرگرمِ عمل ہوا۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

''حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی قائم کردہ تحریک ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' (تشکیل ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء) نے شدھی تحریک کے مقابلے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا قادری بریلوی، شیر بیشۂ اہلِ سُنّت مولانا حشمت علی لکھنوی وغیرہم کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ تحریک شدھی سنگٹھن کے زہریلے جراثیم اور خطرناک مفاسد کے ازالہ کے سلسلے میں ملکانہ یعنی آگرہ و متھرا و بھرت پور و الُور وغیرہ میں جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف کی مساعیِ جمیلہ کو اس وقت (۱۹۲۳ء) کی دو عظیم المرتبت شخصیتوں اور مقبولِ عوام و خواص بزرگوں (۱) امیر ملت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (وصال ۱۳۷۰ھ) اور (۲) شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی (وصال ۱۳۵۵ھ) کی مکمل تائید و حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔ جن کے وفود اور مبلغین نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے ساتھ تعاون کر کے ملکانہ راج پوتوں کے علاقوں میں قریہ قریہ گھوم کر اور اپنی جان جوکھم میں ڈال کر ہزاروں مسلمانوں کو ارتداد سے محفوظ رکھا اور ہزاروں وہ مسلمان جو ارتداد کا شکار ہوچکے تھے انھیں دوبارہ کلمہ پڑھا کر مشرف بہ اسلام کیا۔ یہ تفصیلات ۱۹۲۳ء و ۱۹۲۴ء کے رسائل و مجلّات میں تاریخی ریکارڈ کے طور پر درج ہوچکی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک مستقل کتاب ''تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ'' مؤلفہ مولانا شہاب الدین رضوی مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی جو کئی سو صفحات پر مشتمل ہے اس کا مطالعہ کر کے اس وقت کے حالات و کیفیات اور جماعت کی خدمات وغیرہ ہر طرح کی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔''

(مجلّہ یادگار رضا، رضا اکیڈمی ممبئی، ۱۳-۲۰۱۲ء، ص ۱۳۴)

گائے کا ذبیحہ اسلامی شعار سے ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کی آڑ میں اسے بند کروانے کے لیے

باقاعدہ عملی جدوجہد کی گئی۔ مولانا پروفیسر سید سلیمان شرف بہاری (تلمیذ رشید امام احمد رضا) لکھتے ہیں:

’’مسٹر مانٹیگو کے سامنے دہلی میں جس وقت کے اعیانِ ہند کے وفود پیش ہو رہے تھے، جب آل انڈیا مسلم لیگ کی پیشی کی نوبت آئی تو اس جماعت کا جو ایڈریس تھا اس میں یہ گزارش بھی پُر زور الفاظ میں کی گئی تھی کہ ہندوستان سے گائے کا ذبح کرنا موقوف کیا جائے۔ جدید آقا (مشرکین) کے دربار میں جو نذورِ عبودیت وعقیدت کے ہاتھوں پیش کش ہونے والے تھے ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ یہی نذر تھی۔‘‘

(موالات ومعاملات کا حکم شرعی، مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ص ۱۰)

’’یہاں تک کہ رولٹ بل کا وقت آیا اور ستیا گرہ کی ایجاد ہوئی اُس وقت عجیب عجیب طرح سے مسلمانوں نے دین کی توہین کی تاکہ اہلِ ہنود کو یہ یقین ہو جائے کہ تمہاری اطاعت کے سامنے مذہب کی اطاعت یوں قربان کی جاسکتی ہے۔‘‘ (مرجع سابق، ص ۲۳)

انگریز کی مخالفت میں بات اپنوں سے اتحاد کی ہوتی تو نوعیت الگ ہوتی۔ ہندوؤں کی ساری تگ ودو ’سوراج‘ کے لیے تھی۔ وہ ہندو راشٹر بنانے کے لیے کوشاں تھے۔ گاندھی کی پالیسی سے اس امر کو تقویت ملتی ہے، اتحادِ مشرکین کے نتائج مسلمانوں کے حق میں ضرر رساں ظاہر ہوئے۔ پروفیسر سید سلیمان اشرف لکھتے ہیں:

’’ہر وہ ایجاد اور ہر وہ تحریک جو کسی قوم کی ہو جب اسے دوسری قوم اختیار کرے تو یہ اس ایجاد وتحریک کی انتہائی کامیابی ہے، پس یہ ساری تحریکیں ہندوؤں نے اپنے ملک کے لیے کی تھیں جنھیں مسلمانوں نے اختیار کر کے ان کی کامیابی پر مہر لگا دی۔‘‘ (مرجع سابق، ص ۲۴)

پیش کردہ ان تجزیوں کی صداقت کا اندازہ آزادی کے بعد کے احوال سے بہ خوبی ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں کی ریشہ دوانیوں کی داستان بڑی طویل اور لرزہ خیز ہے۔ امام احمد رضا نے ان سے اتحاد کی مخالفت یوں ہی نہیں کی تھی بلکہ اس کی بنیاد ٹھوس اور شرعی وجوہات پر قائم ہیں، جن سے مسلمانوں کی تاریخ کا واقف کار انکار نہیں کر سکتا۔ یہاں ان لوگوں سے سوال ہے جو مشرکین سے اتحاد کے پُر زور داعی ہیں کہ کیا کبھی مسلم مسائل میں مشرکین نے مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کی یا کچھ ساتھ دیا؟ ہاں! یہ ضرور ہوا کہ لیڈران کا ذاتی ومالی فائدہ ہوا اور قوم کا بھاری نقصان۔

جسٹس راجندر سچر نے مسلمانوں کی مفلوک الحالی پر جو رپورٹ پیش کی ہے اس میں مسلمانوں کو دلتوں سے کم زور بتایا گیا ہے اور علم کے میدان میں مسلمانوں کا گھٹتا ہوا تناسب قابلِ تشویش حد تک

ظاہر کیا گیا ہے۔ ۹۰؍ برس قبل ہی ان نتائج کے حصول کے لیے ہندو لیڈروں نے کمر کس لی تھی۔ آزادی کی تگ ودو کے ساتھ ہی مسلمانوں کی ذلت ونکبت اور کس مپرسی وپس ماندگی کا خاکہ بنا لیا گیا تھا اور آزاد جیسے لیڈر خود مشرکین کے خاکوں میں ان کی چالوں سے آنکھیں موند کر رنگ بھر رہے تھے۔ اُس دور کے عظیم دانش ور پروفیسر سید سلیمان اشرف نے جو مشاہدہ لکھا ہے اس کے عواقب ہم خود دیکھ رہے ہیں، موصوف لکھتے ہیں:

’’اسی کے ساتھ مسٹر گاندھی کی کمالِ ہنر مندی کا اظہار اس حکیمانہ طرزِ عمل سے ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ میں صرف انھیں مقاصد واغراض کے تکملہ اور تحصیل کے لیے لا کھڑا کر دیا جس سے ہندوستان کی آزادی برسوں کی راہ گھنٹوں میں طے کر لے، یہ ملک جس قدر آزادی سے قریب ہوتا جائے اسی قدر خود مسلمانوں ہی کے جدوجہد سے ہندوؤں کی حکومت یوماً فیوماً قوی ہوتی جائے اور مسلمانوں کی ہستی ہندوستان میں مٹتے مٹتے شودر کے مرتبہ پر پہنچ جائے۔‘‘

(مرجع سابق، ص ۲۹)

سچر کمیٹی کی موجودہ رپورٹ ۹۰؍ برسوں قبل مشرکین کی سازشوں کے ان نتائج پر واضح دلیل ہے جو شاگردِ اعلیٰ حضرت پروفیسر سلیمان اشرف نے درج کیے۔

یورپ کی مخالفت؛ ترکوں کی حمایت:

۱۹۱۱ء میں اٹلی نے طرابلس پر حملہ کیا۔ ترکوں کی حمایت کو مسلمان کمربستہ ہوئے۔ یورپ کی اس حرکت سے مسلمان غم وغصہ میں تھے، ان کی امداد کے لیے امام احمد رضا نے تدبیریں بتائیں۔ اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی حاجی لعل محمد خاں مدراسی کے استفسار پر لکھا، مسلمانوں کو ترکوں کے مالی تعاون پر اُبھارا، تاکہ انگریز کے مقابل ترک مسلمان مضبوط ہوں۔ امام احمد رضا تعاون کے طریقے واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اب بھی اگر تمام ہندوستان کے جُملہ مسلمان، امیر، غریب، فقیر، رئیس، اپنے سچے ایمان سے ہر شخص اپنی ایک ماہ کی آمدنی دے دے تو گیارہ ماہ کی آمدنی میں بارہ ماہ گذر کر لینا کچھ دشوار نہ ہو۔ اور اللہ عزّ وجلّ چاہے تو لاکھوں پونڈ جمع ہو جائیں۔‘‘

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، از ملک العلماء، ص ۴۳۴، مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور ۲۰۰۳ء۔ سالِ تصنیف ۱۹۳۸ء)

سلطنتِ ترکی کی حمایت کے سلسلے میں امام احمد رضا کی عملی کد وکاوش کے ضمن میں تاج العلما مولانا سید اولادِ رسول محمد میاں قادری مارہروی لکھتے ہیں: ’’......آج (۱۳۴۰ھ) سے برسوں پہلے جنگِ بلقان

(۱۲۔۱۹۱۱ء) کے موقع پر انھوں (مولانا احمد رضا) نے سلطنتِ اسلامی و مظلومین مسلمین کی اِعانت و اِمداد کی مناسب و صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں۔ عام طور پر شائع کیں۔ قولاً و عملاً اُن کی تائید کی۔ خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی اور اب بھی لوگوں کو صحیح مُفید شرعی طریقے اِعانتِ اسلام و مسلمین کے بتاتے رہتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے، انھوں نے کیں۔ خود چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلوایا۔ مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی اِمداد و اِعانت پر توجہ و رغبت دلائی۔ تحفظِ سلطنتِ اسلامی کی مُفید و کارگر تدابیر بتائیں۔ یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟''

(ص ۱۲، برکاتِ مارَہرہ و مہمانانِ بدایوں (۱۳۴۰ھ) مطبوعہ حسنی پریس، بریلی ۱۳۴۰ھ)

انگریز کی مخالفت میں امام احمد رضا کا کردار:

مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں: ''مغربی تہذیب و تمدن، فرنگی فکر و مزاج اور غاصب انگریزوں سے نفرت و عداوت کا یہ عالم تھا کہ نہ کبھی ان کی حکمرانی تسلیم کی اور نہ ہی ان کی کسی کچہری میں گئے اور وہ بھی یہ کہہ کر کہ ''جب میں انگریز کی حکومت ہی تسلیم نہیں کرتا تو ان کی عدالت کیا تسلیم کروں گا؟'' لفافہ پر ہمیشہ الٹا ٹکٹ لگاتے اور کہتے کہ ''میں نے جارج پنجم کا سر نیچا کر دیا'' زندگی بھر کسی انگریز کے پاس نہیں گئے اور نہ ان سے کوئی ربط و تعلق رکھا۔''

(امام احمد رضا اور جدید افکار و تحریکات، یٰسین اختر مصباحی، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ص ۱۸۱)

انگریز نے فکر و نظر کے اعتبار سے بھی مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوششیں کیں۔ امام احمد رضا نے جہاں اسلامی روایات کو زندہ کیا وہیں تہذیبی و تمدنی لحاظ سے مسلم تشخص کے لیے کام کیا۔ آپ نے ہر پہلو سے انگریز کی فریب کاریوں کی مخالفت کی۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ آپ نے شعار و مراسمِ شرکیہ کی بھی مذمت کی۔ جس سے بہت سے حاسدین و مخالفینِ رضا آپ کی ذات پر جنبشِ لب کشائی کی جرأت کرتے رہتے ہیں۔ انھیں یہی بُرا لگا کہ مشرکین سے اتحاد کی مخالفت کیوں کر کی گئی؟ اس بابت گزشتہ سطور میں ہم نے توضیح کر دی ہے کہ کس طرح مشرکین سے اتحاد نے اسلامی حمیت و غیرت اور عقائد کو نقصان سے دوچار کیا۔

انگریزی تہذیب و تمدن و معاشرت و نظریات و افکار کی مخالفت میں امام احمد رضا نے جو کتابیں لکھیں ان میں چند اس طرح ہیں:

[۱] **المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ** (۱۳۳۹ھ): ترکِ موالات کے موضوع پر مشرکین سے

اتحاد و وداد کی مخالفت نیز نصاریٰ کی بیخ کنی میں معرکہ آرا رسالہ، پروفیسر مولوی حاکم علی بی۔اے نقشبندی کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا۔ اس کتاب کی متعدد جگہوں سے بار بار اشاعت ہو چکی ہے۔ راقم کے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ رضا اکیڈمی ممبئی کا شائع کردہ ہے۔ سنِ اشاعت ۱۹۹۸ء ہے۔

[۲] **معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین** (۱۳۳۸ھ): امریکی منجم پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا نے ۱۹۱۹ء میں پیش گوئی کی کہ ۱۷؍ دسمبر ۱۹۱۹ء کو آفتاب کے سامنے بعض سیاروں کے آجانے سے کشش کے نتیجے میں دنیا میں قیامتِ صغریٰ برپا ہوگی۔ اسلامی لحاظ سے یہ پیش گوئی باطل تھی جس کے جواب میں مذکورہ کتاب لکھ کر پورٹا کے نظریے کی سائنسی و عقلی دلائل سے ایسی تردید کی کہ انگریزی فکر دم توڑ گئی۔ بات چوں کہ ۱۷؍ دسمبر سے تعلق رکھتی تھی اس لیے پیش گوئی کے بطلان پر ۱۷؍ رُخ سے جواب تحریر کیا۔ اور نصاریٰ کے فکری حملوں کا دنداں شکن جواب دیا۔

[۳] **نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان** (۱۳۳۹ھ): یہ کتاب بھی سائنس کے غیر اسلامی افکار در حرکتِ زمین کی تردید میں تصنیف کی، اس کے اندر پروفیسر حاکم علی بی۔اے نقشبندی (اسلامیہ کالج لاہور) کو انگریز کے خلافِ اسلام نظریات سے اجتناب کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قرآنِ عظیم کے وہی معنی لینے ہیں جو صحابہ و تابعین و مفسرین و معتمدین نے لیے۔ ان سب کے خلاف وہ معنی لینا جن کا پتا نصرانی سائنس میں ملے مسلمان کو کیسے حلال ہو سکتا ہے۔''

(نزول آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان، امام احمد رضا، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۲۰)

اسی کتاب میں نصاریٰ کے طریقِ استدلال کی دھجیاں ان الفاظ میں بکھیر کر رکھ دی ہیں:

''یورپ والوں کو طریقۂ استدلال اصلاً نہیں آتا، انھیں اثباتِ دعویٰ کی تمیز نہیں، ان کے اوہام جن کو بنام دلیل پیش کرتے ہیں یہ یہ علتیں رکھتے ہیں۔''

(نزول آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان، امام احمد رضا، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۵۵)

[۴] **الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام** (۱۳۱۵ھ): ایک پادری کے اعتراض کے جواب میں تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں نصاریٰ کے باطل نظریات کا درجنوں دلائل سے مسکت انداز میں رَد فرمایا ہے۔ تاریخی اعتبار سے بھی نصاریٰ کی سازشوں کی بخیہ ادھیڑ کر رکھ دی ہے۔ نیز ان کی گستاخیوں اور کارستانیوں کا بھی پول کھول کر رکھ دیا ہے۔ ان کی دھاندلی اور فریب پر ملامت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اللہ اللہ یہ قوم! یہ قوم سراسر لوم! یہ لوگ! جنھیں عقل کا لاگ جنھیں جنوں کا روگ، یہ

اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ ......''

(الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام، امام احمد رضا، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۱۸ھ ص ۱۹)

[۵] الکلمۃ الملھمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ (۱۳۳۸ھ): اس کتاب میں فلاسفہ کے اوہامِ باطلہ کا رد ہے۔

[۶] فوز مبین در رد حرکت زمین (۱۳۳۸ھ): اس کتاب کو سائنس کے نظریۂ حرکتِ زمین کے رد میں تصنیف کی اور سائنسی اصولوں سے حرکتِ زمین کے نظریے کا باطل وغلط ہونا ثابت فرمایا۔

آخر الذکر دونوں کتابوں سے متعلق امام احمد رضا لکھتے ہیں: ''مسلمان طلبا پر دونوں کتابوں کا بغور بالاستعاب مطالعہ اہم ضروریات سے ہے کہ دونوں فلسفۂ مزخرفہ کی شناعتوں، جہالتوں، سفاہتوں، ضلالتوں پر مطلع رہیں، اور بعونہٖ تعالیٰ عقائدِ حقہ اسلامیہ سے ان کے قدم متزلزل نہ ہوں۔''

(الکلمۃ الملہمۃ، امام احمد رضا، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۱۸ھ ص ۶)

خلافِ اسلام سائنسی افکار کے مقابل اسلامی افکار کے تحفظ کے لیے امام احمد رضا کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے برطانوی انگریز نو مسلم پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون تحریر کرتے ہیں:

''اپنی زندگی میں امام احمد رضا نے سائنس دانوں کی حماقتوں کا جواب دینے کی جدوجہد فرمائی......لیکن بلاشبہہ احمق یورپیوں کی پوری دنیا کے مقابل وہ یکہ وتنہا تھے......تاہم انھوں نے سائنس کو اس کے اصل مقام پر رکھنے کے لیے مسلمانوں کو ضروری کام پر لگا دیا......انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ سب سے بڑا چیلنج سائنس کی پرستش اور اس کا وہ طریقہ تھا جس سے وہ اسلامی حکمت ودانش کو دھمکا رہی تھی............امام احمد رضا سائنس کے مقابل اسلام کا دفاع کرنے اور سائنس کی حدیں واضح کرنے کی کاوشوں کی وجہ سے عالمی اہمیت کی حامل شخصیت ہیں......''

(The World Importance of Imam Ahmad Raza، اردو ترجمہ بنام ''امام احمد رضا کی عالمی اہمیت، نوری مشن مالیگاؤں ۲۰۰۵ء ص ۹)

خانوادۂ رضا کی انگریز سے نفرت:

امام احمد رضا ہر باطل فرقہ و مذہب سے جدا رہنے کے قائل تھے۔ یہود و نصاریٰ نیز ہنود سے دوری میں ہی ایمان وعقیدہ کی سلامتی جانتے تھے۔ یہ اسلامی اصول آپ کو ورثے میں ملا تھا۔ آپ کے دادا علامہ رضا علی خاں نقش بندی بریلوی ملک پر نصرانی تسلط کو 'افتاد' سے تعبیر کرتے ہوئے اظہار تأسف

فرماتے ہیں۔

عجب افتاد بر سر ہندوستان بود — تسلط فرنگیاں بر مسلمان بود
رضا چگونہ رنج و قلق نیفتاد — قضاے مہرباں ہا بر مسلمان بود

(مولانا نقی علی خاں بریلوی، از مولانا شہاب الدین رضوی، رضا اکیڈمی ممبئی ص ۴۱-۴۲)

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا رضا علی خاں بریلوی نے عملاً حصہ لے کر مجاہدین کی تازہ دم گھوڑوں سے مدد کی۔ مولانا شہاب الدین رضوی نے اپنی کتاب ''مولانا نقی علی خاں'' میں ایسے تاریخی شواہد کی نشان دہی کی ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انگریز کی مخالفت کے سبب انگریز نے آپ کے بعض مواضعات کو ضبط کر لیا تھا۔ انگریز افسر ہڈسن نے آپ کے سر پر انعام رکھا تھا۔ یہی جذبۂ حریت آپ کے شاگرد مولانا عبداللہ خاں ہمدم بریلوی میں منتقل ہوا۔ آپ نے برطانوی افواج کے خلاف نمایاں حصہ لیا۔ قید وبند کے عالم میں ہی جامِ شہادت نوش کیا۔ (مرجع سابق ص ۸۱)

ایامِ اسیری میں یہ رُباعی لکھی۔

تو گرفتار ہوں کچھ رسم مجھے یاد نہیں — اس لیے لب پہ مرے نالہ وفریاد نہیں
کس کو حالِ دلِ غمگیں میں سُناؤں — قیس صحرا میں نہیں کوہ میں فرہاد نہیں

مولانا رضا علی خاں کے ایک اور شاگرد مولانا منشی محمد اسماعیل شکوہ آبادی بھی انگریز کے خلاف معرکے میں گرفتار ہوئے اور کالا پانی کی سزا دی گئی۔

............مولانا رضا علی خاں بریلوی نے مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی اور جنرل بخت خاں کی فوجوں کو گھوڑے سپلائی کیے۔

............مولانا رضا علی خاں بریلوی کا مجاہدین کو گھوڑے دینا اور مجاہدین کے لیے قیام و طعام کا اپنی جیبِ خاص سے اہتمام کرنا ثابت کرتا ہے کہ آپ برطانوی تسلط کے کتنے شدید مخالف تھے۔'' (مرجع سابق ص ۹۶-۹۸)

مولانا احسن دہلوی، مولانا رضا علی خاں بریلوی کی مجاہدانہ کاوش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ جنگِ آزادی کے عظیم رہ نما تھے۔ عمر بھر فرنگی تسلط کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ آپ ایک بہترین جنگجو اور بے باک سپاہی تھے۔ لارڈ ہسٹنگ آپ کے نام سے بے حد نالاں تھا۔ جنرل ہڈسن جیسے برطانوی جنرل نے آپ کا سر قلم کرنے کا انعام پانچ سو روپیہ مقرر کیا تھا۔ مگر وہ اپنے مقصد میں عمر بھر ناکام رہا۔'' (مرجع سابق ص ۹۶)

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی کی انگریز کے خلاف کارکردگی سے متعلق مولانا شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں:

''مولانا مفتی نقی علی خاں بریلوی بنیادی طور پر حریت پسند تھے، انگریزی اقتدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے علماے اہلِ سُنّت نے جہاد کا فتویٰ صادر فرمایا۔ اس فتویٰ کے مطابق جہاد کی تیاری اور عملاً جہادِ آزادی کا آغاز کرنے کے لیے جہاد کمیٹی کی تشکیل ہوئی، اس کے آپ رُکن رکین مقرر ہوئے۔ انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے والے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے اور رسد پہنچانا آپ کے ذمہ تھا، جس کو بہ حسن وخوبی انجام دیتے، آپ کی تقاریر انتہائی پُر اثر ہوتی تھیں۔ آپ کی تقاریر نے مسلمانوں میں جہادِ آزادی کا جوش و ولولہ بھر دیا تھا۔ انھیں علماے کرام کی بدولت بریلی روہیل کھنڈ میں انگریزوں نے مسلمانوں سے شکست کھائی اور بریلی چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کی۔''

(مرجع سابق، ص ۸۵)

بہتان کی حقیقت:

انسان جب دشمنی پر آمادہ ہوتا ہے اور فریق کے خلاف کوئی حیلہ بہانہ نہیں پاتا تو جھوٹ اور بہتان پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ سچ سے رشتہ ختم ہو جانے پر جھوٹ کا واقع ہونا عجب نہیں۔ جیسا کہ مولانا سرفراز صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''خان صاحب (اعلیٰ حضرت) ہر اس تحریک اور ہر اس شخص کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے جو ظالم برطانیہ کے خلاف نبرد آزما رہا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما وغیرہ حضرات کی پُر زور اور ناروا تکفیر محض اس لیے کی ہے کہ وہ حضرات ظالم برطانیہ سے جہاد میں پیش پیش تھے۔''

(عباراتِ اکابر، سرفراز صفدر، مکتبہ مدنیہ دیوبند ۱۹۸۴ء، ص ۴۳)

اس بہتان کی حقیقت کے مطالعہ سے قبل ضروری سمجھتا ہوں کہ مسئلہ تکفیر پر دو باتیں پیش کردوں۔ ۱۳۲۳ھ میں جب امام احمد رضا دوسرے سفرِ حج پر گئے تو ایک فتویٰ مرتب کر کے علماے حرمین کی خدمت میں پیش کیا جس میں برصغیر میں نئے پیدا شدہ فرقوں کے عقائد نیز دیوبند کے عناصر اربعہ (مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، مولانا اشرف علی تھانوی) کے عقائد انھیں کی کتابوں سے نقل فرمائے گئے تھے۔ جس کی شناعت کو دیکھتے ہوئے حرمین کے ۳۳ر مشاہیر علما نے ایسی عبارت لکھنے والوں پر فتویٰ کفر عائد کیا۔ اسی سے حواس باختہ ہو کر مذکورہ اقتباس

میں مولانا سرفراز صفدر نے ایسی باتیں لکھ دیں جنھیں حقائق کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو مولانا سرفراز مجروح دکھائی دیتے ہیں اور ان کی شخصیت سچائی کی راہ سے بہت دور نظر آتی ہے۔

مذکورہ اقتباس میں مولانا سرفراز نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ علماے دیوبند (بالخصوص مولانا نانوتوی و مولانا گنگوہی) برطانوی سامراج کے خلاف تھے۔ اس کی حقیقت جاننے کے لیے علماے دیوبند کی کتابوں سے ہی ہم جائزہ لیں گے کہ آیا علماے دیوبند انگریز کے خیر خواہ و وفادار تھے یا مخالف و دشمن۔

انگریز کے وفادار:

یہاں ہم محض چند حوالے درج کرتے ہیں تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو سکے کہ غیر مقلد اور دیوبندی فرقہ کے انگریز سے تعلقات و مراسم کیسے تھے۔ متذکرہ موضوع پر راقم کی ایک کتاب عن قریب منظر عام پر ہوگی، جس میں درجنوں دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

لفٹیننٹ گورنر ممالکِ متحدہ اَودھ و آگرہ کے نمائندہ مسٹر پامر نے ۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء کے اپنے دورۂ مدرسہ دیوبند کی رپورٹ میں لکھا: ''جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے کے صَرفہ سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپے ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلافِ سرکار نہیں بلکہ مُمِد ومُعاونِ سرکار ہے۔'' (سوانحِ مولانا محمد احسن نانوتوی، پروفیسر محمد ایوب قادری، ص ۲۱۷، مطبوعہ کراچی)

انگریز لارڈ ڈفرن کی مدرسۂ دیوبند آمد کے حوالے سے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی لکھتے ہیں: ''مدرسۂ دیوبند اس وقت گورنمنٹ کی نظروں میں ایک خاص رنگ رکھتا تھا۔''

(تذکرۃ الخلیل، از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مکتبۃ الشیخ سہارن پور ۱۴۱۱ھ، ص ۱۳۰)

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی ایک مجلس میں فرماتے ہیں:

''میری طالب علمی کے زمانے میں ایک انگریز کلکٹر مدرسۂ دیوبند میں آنے والا تھا میں نے حضرت مولانا یعقوب صاحب سے عرض کیا کہ اگر وہ چندہ دیں تو آپ قبول کرلیں گے؟ فرمایا: ہاں۔''

(مجالس حکیم الامت، مولانا محمد شفیع دیوبندی، فرید بک ڈپو دہلی ۱۴۲۳ھ، ص ۱۸۸)

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مدرسۂ دیوبند پر انگریز مخالفت کا الزام لگایا گیا۔ انگریز حکومت کو یہ درخواست دی گئی کہ:

''مولانا محمد قاسم صاحب نے دیوبند میں ایک مدرسہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں کھولا ہے......''

جس پر انگریز نے تفتیش کی، انگریز حکام کی رپورٹ مولانا اشرف علی تھانوی کی زبانی سُنیے:

''حکومتِ ہند کو رپورٹ کی کہ جو لوگ ایسے مقدس صورتوں پر نقضِ امن اور غدر و فساد (یعنی انگریز سے غداری) کا الزام لگاتے ہیں وہ خود مفسد ہیں اور یہ محض چند مفسدوں (فسادیوں) کی شرارت ہے۔'' (ارواحِ ثلٰثہ، مولانا اشرف علی تھانوی، اریب پبلی کیشنز دہلی ۲۰۱۲ء، ص ۱۸۷)

مولانا اشرف علی تھانوی کو انگریز حکومت وظیفہ سے نوازتی تھی۔ دیو بند کی ایک میٹنگ کی روداد میں ہے:

''دیکھیے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور آپ کے مسلَّم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ: ''ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دیے جاتے تھے۔'' اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ''مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شُبہہ بھی نہیں گزرتا تھا۔''

(مکالمۃ الصّدرین، طاہر احمد قاسمی، مطبوعہ لاہور، ص ۱۶)

دیو بندی مکتبِ فکر مولانا رشید احمد گنگوہی کو آزادی کا ہیرو قرار دیتے ہیں۔ اس بابت مطالعہ کی روشنی میں حقائق کا جائزہ لیتے ہیں۔ انھیں کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

''شروع ۱۲۷۶ ہجری نبوی ۱۸۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ (گنگوہی) پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی۔'' (تذکرۃ الرشید، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، دارالکتاب دیو بند ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۱)

اس اقتباس میں حکومتِ انگریز کو ''اپنی سرکار'' اور مجاہدین آزادی کو مفسد یعنی فسادی قرار دیا گیا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ ۱۸۵۷ء کی جہادِ آزادی کو بغاوت اور مخالفین انگریز کو حکمراں کا نافرمان قرار دیتے ہوئے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی دیو بندی نے یہاں تک لکھ دیا:

''انھوں نے (انگریز) کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا، فوجیں باغی ہوئیں، حاکم کی نافرمان بنیں، قتل و قتال کا بند بازار کھولا اور جواں مردی کے غرّہ میں اپنے پیروں پر خود کلھاڑیاں ماریں۔'' (مرجع سابق ص ۱۱۳)

مولانا رشید احمد گنگوہی دیو بندی کو جو جیل ہوئی اسے دیو بندی فرقہ انگریز کے خلاف اسیری و قربانی سے تعبیر کرتا ہے، اس کی سچائی بھی انھیں کے سوانح نگار کے قلم سے ملاحظہ کریں جنھوں نے انگریز گورنمنٹ کی رحم دلی کا ترانہ گایا ہے:

''جب بغاوت کا قصہ فرو ہوا اور رحم دل (انگریز) گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پا کر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بُزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیر خواہ اپنے کو ظاہر کریں انھوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات (اکابر دیو بند) پر بھی بغاوت کا الزام لگایا اور یہ مخبری کی کہ تھانہ (بھون) کے فساد میں اصل الاصول یہی لوگ تھے، اور شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والا یہی گروہ تھا، بستی کی دوکانوں کے چھپر انھوں نے تحصیل کے دروازہ پر جمع کیے اور اس میں آگ لگا دی یہاں تک کہ جس وقت آدھے کواڑ جل گئے ابھی آگ بجھنے بھی نہ پائی تھی کہ ان نڈر ملانوں نے جلتی آگ میں قدم بڑھائے اور بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھس کر خزانہ سرکار کو لُوٹا تھا، حالاں کہ یہ کمل پوش، فاقہ کش، نفس کش حضرات فسادوں سے کوسوں دور تھے۔'' (مرجع سابق، ص ۱۱۶)

اس پیراگراف سے یہ معلوم ہوا کہ: علمائے دیو بند پر معرکۂ شاملی میں انگریز مخالفت کا محض الزام تھا۔ یہ حضرات مجاہدین سے کوسوں دور تھے۔ مجاہدین کے گروہ میں شامل نہیں تھے۔ انگریز کے تاحیات وفادار رہے جس کی شہادت مولانا عاشق الٰہی دیو بندی کے الفاظ میں پڑھیے:

''ہر چند کہ یہ حضرات حقیقۃً بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی و مفسد اور مجرم و سرکاری خطاوار ٹھہرا رکھا تھا اس لیے گرفتاری کی تلاش تھی مگر حق تعالیٰ کی حفاظت بر سر تھی اس لیے کوئی آنچ نہ آئی، اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار (انگریز) کے دلی خیر خواہ تھے تا زیست خیر خواہ ہی ثابت رہے۔

............حضرت امام ربانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا اس لیے گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں بھی رہے، آخر جب تحقیقات اور پوری چھان بین سے کالشّمس فی نصف النہار ثابت ہو گیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے اس وقت رہا کیے گئے۔'' (مرجع سابق، ص ۱۲۰)

دورانِ اسیری مولانا گنگوہی مطمئن تھے کہ انگریز کی فرماں برداری بہر حال ثابت ہو گی اور جھوٹے الزام سے کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ مولانا عاشق الٰہی دیو بندی لکھتے ہیں:

''(مولانا گنگوہی) سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے، اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔'' (مرجع سابق، ص ۱۲۱)

یہ احوال تو وہابیت کی مقلد شاخ 'دیوبندیت' کے تھے، اب چند نمونے وہابیت کی 'غیر مقلد' شاخ جو بزعم خود اہلِ حدیث ہیں، کے بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

غیر مقلد عالم مولانا نذیر حسین دہلوی (م ۱۹۰۲ء جنھیں وہابیہ شیخ الکل کہتے ہیں) سے متعلق غیر مقلد عالم مولانا فضل حسین لکھتے ہیں: ''میاں صاحب (نذیر حسین) بھی گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے۔ زمانۂ غدر ۱۸۵۷ء میں جب دہلی کے بعض مقتدر اور بیش تر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا نہ مہر۔''

(الحیات بعد الممات، مولانا فضل حسین، الکتاب انٹرنیشنل دہلی، ص ۹۳)

میاں نذیر حسین کے رفیق و شاگرد مولوی تلطف حسین نے پاشائے مکہ کو مخاطب میں اقرار کیا ہے کہ ہندوستان میں انگریز گورنمنٹ رحمت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''اس کے بعد ہم یہ کہنے سے معذور سمجھے جائیں کہ انگریزی گورنمنٹ ہندوستان میں ہم مسلمانوں کے لیے خدا کی رحمت ہے۔''

(الحیات بعد الممات، مولانا فضل حسین، الکتاب انٹرنیشنل دہلی، ص ۱۱۲)

۶۵-۱۸۶۴ء میں انگریز نے میاں نذیر حسین دہلوی پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔ اس بابت ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

''مقدمہ کی لپیٹ میں میاں صاحب پر بھی مواخذہ ہوا جو صرف مخبروں کی غلط خبر رسانی اور اہل کاروں کی غلطی پر مبنی تھا۔

...........وہ جس طرح غدر ۱۸۵۷ء میں مسز لیسنس کی جان بچانے سے وفادار ثابت ہوئے تھے اسی طرح ۶۵-۱۸۶۴ء کے مقدمے بغاوت میں بھی بے لاگ ٹھہرے۔''

(الحیات بعد الممات، مولانا فضل حسین، الکتاب انٹرنیشنل دہلی، ص ۹۸-۹۹)

یعنی ان پر انگریز سے غداری کا الزام محض تھا در حقیقت وہ وفادار تھے۔

جب میاں نذیر حسین دہلوی نے حج کا قصد کیا تو انگریز نے ازرہِ ہم دردی ایک مکتوب تحریر کیا جسے یہاں درج کیا جاتا ہے:

Moulvi Nazir Husain is a leading moulvi in Delhi who is difficult times proved his Loyalty to the British government and in his Pilgrimage to macca. I hope any British officer, whose help or

protection he my need will affordit to him as he most fully desrves it.

Signed J.D. Tremlett

B.C.S. Commissioner & Supdt. Delhi Division, August 10th, 1888

ترجمہ: مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں۔ جنھوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے، اب وہ اپنے فرض زیارتِ کعبہ کے ادا کرنے کو مکہ جاتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ جس برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے وہ ان کو مدد دے گا کیوں کہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔

دستخط جے ڈی ٹریملٹ بنگال سروس کمشنر دہلی و سپرنٹنڈنٹ

۱۰/اگست ۱۸۸۳ء

(الحیات بعد الممات، مولانا فضل حسین، الکتاب انٹرنیشنل دہلی، ص ۱۰۰-۱۰۱)

نوٹ: ترجمہ میں سن ۱۸۸۸ء ہونا چاہیے تھا، غالباً کمپوزنگ کی غلطی سے ۱۸۸۳ء لکھا گیا ہو۔ اس کتاب کے دوسرے نسخے نہ مل سکے کہ تقابل کیا جا سکے۔

یہ تو ایک جھلک تھی جو فرقۂ وہابیہ کی انگریز نوازی پر انھیں کی کتابوں سے دکھائی گئی، دوسری طرف امام احمد رضا قدس سرہٗ کا یہ عالم تھا کہ ہر محاذ پر انگریزی سازشوں کا مقابلہ عزم و استقلال کے ساتھ کیا جس کے جلوے آپ کی تصانیف و فتاویٰ میں جا بجا ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ جن کا مطالعہ اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے انگریزی فکر و تہذیب کے خلاف کیسی قلمی و عملی جد و جہد کی، اور دوسری طرف مخالفینِ امام احمد رضا کی انگریز سے وفاداری و برٹش نوازی پر واضح بیانات و شواہد موجود ہیں۔ ضرورت مطالعہ کی ہے اور قبولِ حق کی۔

☆☆☆

نوٹ: یہ مقالہ دراصل (غیر مطبوعہ) کتاب ''انگریز کے دوست یا دشمن'' کی تلخیص ہے۔ مزید دلائل و شواہد کے ساتھ کتابی صورت میں جلد ہی اس کی اشاعت کی جائے گی جس میں فرقۂ وہابیہ کی انگریز نوازی پر چشم کشا حقائق ہوں گے۔ تحقیق و تدقیق سے پُر یہ کتاب حقائق کے چہرے سے نقاب الٹ کر تاریخ گری کرنے والوں کی بخیہ چاک کرے گی۔ (مرتب)

جدید وقدیم سائنسی افکارونظریات اور امام احمد رضا

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، کراچی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۲۰۰۸ء) کی یہ تحریر ایک عرصے سے شائع نہیں ہوئی تھی، کافی تلاش کے بعد بھی ہندوستان سے مطبوعہ کوئی نسخہ دست یاب نہ ہوسکا ممکن ہے کہ ہند سے اس کی اشاعت ہی نہ ہوئی ہو۔ جب کہ ایک عرصے سے اس موضوع پر مواد کی ضرورت تھی، سائنس کے طلبا و اساتذہ کی بڑی تعداد نے راقم سے اعلیٰ حضرت کی سائنسی بصیرت پر مقالہ یا کتاب کا مطالبہ کیا لہٰذا موضوع کی افادیت کے پیشِ نظر اس مقالہ کی 'یادگارِ رضا' میں اشاعت کی جا رہی ہے۔مرتب

امام احمد رضا (۱) نے علوم عقلیہ کی ابتدائی تحصیل بعض اساتذہ سے کی، مثلاً مولانا نقی علی خاں، ابوالحسین احمد النوری، مرزا عبدالعلی رام پوری اور مرزا غلام قادر بیگ بریلوی وغیرہ، مگر ان تمام علوم میں اپنی خداداد صلاحیت سے کمال حاصل کیا۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ جب ریاضی اور جومیٹری وغیرہ کی تحصیل شروع کی تو ان کی فطری ذکاوت کو دیکھ کر ان کے والد مولانا محمد نقی علی خاں نے کہا:

''تم اپنے علومِ دینیہ کی طرف متوجہ رہو۔ ان علوم کو خود حل کر لوگے۔'' (۲)

چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ نہ صرف یہ کہ ان علوم کو حاصل کیا بلکہ ان علوم پر مختلف تصانیف اور حواشی لکھے، خود لکھتے ہیں:

''حسبِ ارشادِ سامی بعونہٖ تعالیٰ فقیر نے حساب وجبر ومقابلہ ولوگارثم وعلم مربعات وعلم مثلث کروی وعلم ہیئت قدیمہ وہیئت جدیدہ وزیجات وارثماطیقی وغیرہا میں تصنیفات وتحریراتِ رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد وضوابط خود ایجاد کیے۔ تحدثا نعمۃ اللّٰہ تعالیٰ۔'' (۳)

اس پس منظر میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) کے یہ ریمارکس قابلِ توجہ ہیں...... ۱۹۲۹ء میں قیامِ شملہ (بھارت) کے زمانے میں مولانا محمد حسین میرٹھی نے جب ان سے امام احمد رضا سے ملاقات کی تفصیلات دریافت کیں تو انھوں نے جواب دیا:

''ان کو علمی لدنی حاصل تھا۔ میرے سوال کا، جو بہت مشکل اور لاحل تھا، ایسا فی البدیہہ

جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصے سے ریسرچ کی ہے۔ اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں۔'' (۴)

غالباً اسی تاثر کی وجہ سے ملاقات کے فوراً بعد انھوں نے پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (صدر شعبۂ دینیات مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) سے کہا:

''صحیح معنوں میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔'' (۵)

جامعہ ازہر (مصر) کے پروفیسر محی الدین الوائی (۶) کیلی فورنیا یونی ورسٹی (امریکہ) کی ڈاکٹر باربرا مٹکاف (۷)، علامہ اقبال یونی ورسٹی (اسلام آباد، پاکستان) کے پروفیسر ابرار حسین صاحب (۸) وغیرہم نے علوم عقلیہ میں امام احمد رضا کی حیرت انگیز ذکاوت کا ذکر کیا ہے اور سراہا ہے۔

امام احمد رضا نے علوم عقلیہ جدیدہ وقدیمہ میں مستقل تصانیف چھوڑی ہیں اور علومِ نقلیہ کے متعلق تصانیف میں بہت سے عقلی مباحث ہیں، جن کو پڑھ کر اہلِ علم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چناں چہ امام احمد رضا کی عربی تصنیف ''الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ'' (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کو پڑھ کر پروفیسر ابرار حسین نے ان خیالات کا اظہار کیا:

''اعلیٰ حضرت بہت بلند پایہ ریاضی داں تھے۔ الدولۃ المکیۃ پڑھنے سے (جو میری سمجھ سے بہت بلند ہے) اس کی تصدیق ہوئی۔ کیوں کہ انھوں نے وہاں کچھ دلائل ریاضی کے نظریات پر مبنی دیے ہیں اور یہ نظریات وہ ہیں جو آج کل Topology کے زمرے میں آتے ہیں۔'' (۹)

ایم۔ حسن بہاری نے ایک مقالہ بعنوان ''امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں'' لکھا ہے، جس میں علوم جدیدہ میں امام احمد رضا کے تبحر پر بحث کی ہے اور فتاویٰ رضویہ (جلد اول) کے بعض مضامین سے علمِ ریاضی، علم کیمیا اور علم فلکیات میں امام احمد رضا کی بصیرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور لکھا ہے:

''امام احمد رضا کی مذہبی، علمی، ادبی، ریاضی، ارضیاتی، فلکیاتی اور مادی یا سائنسی صلاحیتوں نے راقم الحروف کو کافی متاثر کیا ہے۔'' (۱۰)

اسی طرح شبیر حسن بستوی نے اپنے مقالے ''امام احمد رضا بحیثیت منطقی وفلسفی'' میں Atom کے بارے میں امام احمد رضا کے نظریات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ (۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا نے جو کچھ پایا قرآنِ کریم اور فضلِ الٰہی سے پایا۔ وہ قرآنی یقینیات و بدیہیات کو سائنسی ظنیات پر فوقیت دیتے تھے، کیوں کہ سائنسی نظریات ترقی پذیر ہیں۔ جو

ترقی پذیر ہے وہ مکمل نہیں اور قرآنی نظریات مکمل ہیں۔ نامکمل کو تو مکمل کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے، مکمل کو نامکمل کی روشنی میں نہیں۔ قرآن کریم نے فکر انسانی کا رُخ موڑ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم انقلاب آگیا۔ ذہنوں میں انقلاب، روحوں میں انقلاب، مشہور صحابی حضرت معاویہ کے پوتے خالد بن یزید کے شاگرد جابر بن حیان غالباً اسلام کے پہلے سائنس داں تھے، جنھوں نے ایک کیمیائی لیباریٹری بنائی، تاریخ کے مطالعے سے مسلمان مفکرین و سائنس دانوں کا ایک شان دار سلسلہ نظر آتا ہے۔ مثلاً:

(۱) دنیائے اسلام کا عظیم طبیب ''الرازی'' (۸۶۵ء تا ۹۲۵ء) جس نے ۲۰۰/ کتابیں لکھیں۔

(۲) ''الخوارزمی'' (۸۳۵ء تا ۸۴۴ء) جس نے جبر و مقابلہ پر اہم کتابیں لکھیں۔

(۳) ''الفارابی'' (م ۹۵۱ء) جس نے طبعیات پر اہم کتابیں لکھیں۔

(۴) ''المسعودی'' (م ۹۵۷ء) جس نے نظریۂ ارتقا کے مبادیات پیش کیے۔

(۵) ''ابوعلی ابن الہیثم'' (م ۹۶۵ء) علم بصریات کا ماہر جس نے ریاضیات و طبعیات پر بہت سی کتابیں لکھیں۔

(۶) مشہور طبیب، ماہر فلکیات، ریاضی داں، جغرافیہ داں اور عالم طبعیات ''ابوریحان البیرونی'' (م ۱۰۴۸ء) جس کی تصنیف ''کتاب الہند'' شہرۂ آفاق ہے۔

(۷) عالمِ اسلام کا مشہور طبیب اور فلسفی ''ابوعلی ابن سینا'' (م ۱۰۷۳ء) جس کی تصانیف ''القانون'' اور ''الشفاء'' مغربی دانش گاہوں میں صدیوں داخلِ نصاب رہیں۔

(۸) مشہور شاعر اور ریاضی داں ''عمر خیام'' (م ۱۱۲۳ء) جس نے طب پر ۱۶/ کتابیں لکھیں۔

(۹) ''ابن رشد'' (م ۱۱۹۸ء) جو علم و فضل پر یونانیوں پر سبقت لے گیا۔

(۱۰) ''محمد الدمیری'' (م ۱۴۰۵ء) حیاتیات پر جس کی کتاب ''حیاۃ الحیوان'' سب سے زیادہ مشہور ہے۔ (۱۲)

امام احمد رضا مشاہیرِ اسلام کے اس شان دار سلسلے کی ایک اہم کڑی ہیں۔ وہ ان مشاہیر سے کسی طرح کم نہیں۔ اگر ان کے افکارِ تازہ پر تحقیقات کی جائے تو ممکن ہے کہ وہ بہت سے مشاہیر سے آگے نکل جائیں۔

ایجاد و اختراع کا دار و مدار فکر و خیال پر ہے۔ خیال کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ قرآنِ کریم میں خیالوں کی ایک دنیا آباد ہے اور عالم یہ ہے ؏

مجبوریک نظر آ، مختار صد نظر جا

ہر خیال اپنے دامن میں صدیوں کے تجربات و مشاہدات سمیٹے ہوئے ہے۔ جس نے اس کی بات مانی، اس نے مختصر زندگی میں صدیوں کی کمائی کمالی۔ امام احمد رضا ان ہی سعادت مندوں میں تھے، جنھوں نے سب کچھ قرآن سے پایا۔ وہ قرآنِ کریم کا زندہ معجزہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم لدنی اور فیض سماوی سے نوازا تھا، جس کی روشنی میں وہ لانحل مسئلے حل کرلیا کرتے تھے۔ (۱۳) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو افکارِ تازہ سے نوازا تھا۔ چناں چہ ایک جگہ بطورِ تحدیثِ نعمت لکھتے ہیں:

''اس ضروری مسئلہ دینی پر کلام بحمد اللہ تعالیٰ کتاب کے خواص سے ہے اور ایک یہی کیا بفضلہٖ تعالیٰ اس ساری کتاب میں محدود مباحث کے سوا عام بحث وہی ہیں کہ فیض قدیر سے قلبِ فقیر پر فائز ہوتی ہیں اور ایک یہی کتاب نہیں بعونہٖ عزوجل فقیر کی عام تصانیف افکارِ تازہ سے مملو ہوتی ہے حتیٰ کہ فقہ میں جہاں مقلدین کو ابداے احکام میں مجال دم زدن نہیں۔ تحدثاً بنعمۃ اللّٰہ تعالیٰ. واللّٰہ ذو الفضل العظیم.'' (۱۴)

امام احمد رضا کی تصنیفات، تالیفات اور حواشی کے مطالعے سے ان کے قول کی تصدیق ہوتی ہے چناں چہ حاشیہ رسالہ لوگارثم (قلمی) اور حاشیہ رسالہ علم مثلث کروی (قلمی) وغیرہ میں انھوں نے (Logarithm Spherical Trigonometry میں) اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ (۱۵) نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے اصطلاحات وضع کیں اور قواعد ایجاد کیے۔ (۱۶)

امام احمد رضا نے اپنی علمی بصیرت کی بنا پر بڑے بڑے فلاسفہ اور سائنس دانوں پر تنقید کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی تحقیق پر کتنا اعتماد تھا اور وہ فلسفۂ جدیدہ وقدیمہ پر کتنی مہارت رکھتے تھے۔ چناں چہ جامع بہادر خانی کے ایک مسئلے پر ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے کی بنا پر تنقید کی ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں نظری اور علمی دلائل پیش کیے ہیں۔ (۱۷) ایک جگہ مصنف جامع بہادر خانی کی تغلیط کرتے ہوئے کس اعتماد سے لکھتے ہیں:

''واقول۔ این بدیہی البطلان وخطائے واضح است۔'' (۱۸)

اسی طرح اپنے رسالے ''فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین'' (مشمولہ ماہ نامہ الرضا) میں صاحبِ حدائق النجوم (۱۹) پر سخت تنقید کی ہے۔ مندرجہ ذیل تنقیدات ملاحظہ فرمائیں:

(الف) دائرۃ البروج کی تعریف کہ حدائق میں کی، باطل ہے کہ معدل سے مرکز بدل گیا۔ (۲۰)

(ب) اصول الہیأۃ کی تعریف اوس سے باطل تر ہے کہ مرکز بھی مختلف اور دائرے بھی چھوٹے بڑے اور حق وہ ہے جو ہم نے کہا۔ (۲۱)

(ج) حدائق نے سنی سنائی، اپنی ہوشیاری سے سب دوائر کو ایک مقعرِ سماوی پر لیا، جس کا مرکز، مرکزِ زمین ہے، مگر بھولا کہ تمہارے نزدیک وہ مدارِ زمین ہے یا مقعر فلک پر اس کا موازی۔ بہر حال اس کا مرکز، مرکزِ مدار ہے، مرکزِ مدار زمین مرکزِ زمین ہونا کیسی صریح جنون کی بات ہے۔(۲۲)

اسی طرح صاحبِ شمس بازغہ (۲۳) ملا محمد جون پوری (م۱۲۵۲ء) کے بعض خیالات پر سخت تنقید کی ہے۔(۲۴) حکمۃ العین، مصنفہ نجم الدین علی بن محمد القزوینی (م۶۷۵ء) اور شرح حکمۃ العین، مصنفہ شمس الدین محمد بن مبارک میرک بخاری، کے بعض مندرجات کو مہمل قرار دیا۔(۲۵) اور تو اور شیخ ابوعلی سینا (۲۶) کے بعض خیالات پر بھی شدید تنقید کی۔ چناں چہ مسئلہ گردشِ زمین پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''دلیل پنجم اس سے بڑھ کر فلک ثوابت، جملہ ممثلات کا بہ تبعیت فلک الافلاک حرکت یومیہ کرنا اور یہاں جو ابن سینا نے فرضیت کی جگہ گڑھی، بالکل شیخ چلی کی کہانی ہے۔ **کما بیناہ فی کتابنا الفوز المبین**. (۲۷)

پروفیسر حاکم علی مرحوم (پرنسپل، اسلامیہ کالج لاہور) نے سائنس کے جدید نظریات کے سلسلے میں بذریعہ مراسلت امام احمد رضا سے تبادلۂ خیال کیا۔ امام احمد رضا نے پروفیسر صاحب کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے ان کو یہ ہدایت و نصیحت کی:

''بنگاہِ ایمانی اصل مقاصد کو دیکھیے اگر حق پائے تو ابن سینا اور اس کے احزاب کی بات زبردستی بنانے کی ضرورت نہیں۔''(۲۸)

امام احمد رضا نے اپنے خیالات و نظریات کو بڑی جرأت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اگر کسی محترم شخصیت سے بھی اختلاف ہے تو اس کا برملا اظہار کر دیا ہے مگر ادب و احترام کے ساتھ۔ چناں چہ حضرت امام غزالی کی کتاب تہافۃ الفلاسفہ کی ایک عبارت سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقول: امام کی شان بالا ہے، فقیر کو یہاں تامل ہے۔ شک نہیں کہ اجزا اگر چہ بالفعل نہیں، ان کے مناشی انتزاع موجود ہیں اور ان میں ہر ایک کی طرف اشارہ حسیہ جدا ہے اور یہی امتیاز ان کے لیے امتیاز اوضاع کا ضامن ہے اور یہ امتیاز قطعاً واقعی ہے، اعتبار کا تابع نہیں۔''(۲۹)

امام احمد رضا نے جدید و قدیم نظریات کے مقابلے میں اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔ جن میں بعض جدید نظریات سے بھی ہم آہنگ ہیں۔ گو نصف صدی قبل وہ نامعقول نظر آتے ہوں کیوں کہ وہ زمانہ جدید سائنس سے مغلوبیت اور مرعوبیت کا زمانہ تھا۔ علومِ جدیدہ کے رعب نے دماغ کو ماؤف اور

فکر کو مسلوب کر دیا تھا، اور ناقص کو کامل پر فوقیت دی جا رہی تھی۔

امام احمد رضا نے خرق والتیام، خلا، زمانہ اور ایٹم وغیرہ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور جدید سائنس دانوں پر تنقید کی ہے۔ مثلاً آئزک نیوٹن، البرٹ آئن اسٹائن، البرٹ ایف۔ پورٹا وغیرہ۔

خرق والتیام کے بارے میں قدیم فلاسفہ کے علی الرغم امام احمد رضا کا خیال ہے:

''فلک پر خرق والتیام جائز ہے۔''(۳۰)

زمانے کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم چاہتے ہیں کہ بتوفیقہٖ تعالیٰ اس مزلّہ مضلّہ کی بیخ کنی کر دیں، جس پر آج تک کے متفلسفہ کو ناز ہے، وہ یہ کہ زمانہ اگر حادث ہو تو اس کا وجود مسبوق بالعدم ہوا اور شک نہیں کہ یہاں قبل و بعد کا اجتماع محال۔ تو قبلیت نہ ہوئی مگر زمانی۔ تو زمانے سے پہلے زمانہ لازم۔ مواقف (۳۱) و مقاصد (۳۲) و تجرید طوسی (۳۳) و طوالع الانوار (۳۴) بیضاوی (۳۵) و شروح۔ علامہ سید شریف و علامہ تفتازانی و فاضل خوشجی و شمس اصفہانی و شرح دیگر طوالع منسوب بہ تفتازانی و تہافۃ الفلاسفہ للامام حجۃ الاسلام وللعلامۃ خواجہ زادہ میں اس کے متعدد جواب دیے گئے، جن میں فقیر کو کلام ہے۔''(۳۶)

اس کے بعد امام احمد رضا نے اپنے موقف کی تائید میں ۶ر صفحات پر مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ زمانہ حادث ہے۔

ایک جگہ خلا پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فلسفہ قدیم خلا کو محال مانتا ہے، ہمارے نزدیک وہ ممکن ہے۔''(۳۷)

اور ایٹم (۳۸) کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جزلایتجزی ممکن بلکہ واقع اور اس سے جسم کی ترکیب بھی ممکن، اگر بعض اجسام اس طرح مرکب ہوئے ہیں کچھ محذور نہیں۔ مگر یہ کلیہ نہیں کہ اس طرح کے اجسام میں تماس ناممکن کہ موجبِ اتصال دو جُز ہے اور حجم حسّی جس طرح ہم نے ثابت کیا، یوں ہیں تمام حسّی ماننا مشکل ہے۔''(۳۹)

آئزک نیوٹن (۴۰) کے بارے میں پہلے لکھتے ہیں:

''نیوٹن نے لکھا ہے کہ اگر زمین کو اتنا دباتے کہ مسام بالکل نہ رہتے تو اس کی مساحت ایک انچ مکعب سے زیادہ نہ ہوتی۔''(۴۱)

اس قول پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اہلِ انصاف دیکھیں سردار ہیأتِ جدیدہ نیوٹن نے کتنی صریح خارج ازعقل بات کہی۔''(۴۲)

اس کے بعد علمی بحث کی ہے اور پانچ دلیلوں سے نیوٹن کے خیال کی تردید کی ہے۔

مشہور سائنس داں پروفیسر البرٹ آئین اسٹائن (۴۳) امام احمد رضا کے معاصرین میں تھا۔ امام احمد رضا نے اپنی تصانیف میں اس کے نظریات پر تنقید کی ہے۔ (۴۴) دوسرا امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا (۴۵) یہ بھی امام احمد رضا کا معاصر تھا۔ پروفیسر موصوف نے ایک ہول ناک پیش گوئی کی جس سے دنیا کے بعض علاقوں میں دہشت اور سراسیمگی پھیل گئی۔ اس پیش گوئی کے مطابق ۱۷؍دسمبر ۱۹۱۹ء کو آفتاب کے سامنے بعض سیاروں کے جمع ہونے اور ان کی کشش سے آفتاب میں ایک بڑا گھاؤ نمودار ہوتا، جس کے نتیجے میں دنیا میں قیامتِ صغریٰ برپا ہو جاتی۔ آندھیاں، طوفان اور زلزلے آتے اور دنیا کے بعض علاقے صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے۔ یہ پیش گوئی بانکی پور (بھارت) کے انگریزی اخبار ایکسپریس کے ۱۸؍اکتوبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی اور پاک و ہند میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا سے رجوع کیا گیا کیوں کہ وہ اپنے وقت کے فقیہ ہی نہیں، ایک عظیم ہیئت داں بھی تھے۔ امام احمد رضا کو اخبار کا تراشہ ارسال کیا گیا اور ان کی رائے لی گئی۔ جواباً انھوں نے مکتوب منہ (مولانا ظفر الدین بہاری) کو لکھا:

آپ کا پرچہ اخبار آیا۔ نواب صاحب نے ترجمہ کیا (۴۶) کیسی عجیب بے ادراک کی تحریر ہے جسے ہیئت کا ایک حرف نہیں آتا۔ سراپا اغلاط سے مملو ہے۔ (۴۷) (محررہ ۴؍صفر ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء)

امام احمد رضا نے البرٹ ایف۔ پورٹا کے جواب میں ایک محققانہ رسالہ لکھا، جس کا تاریخی نام ''معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین'' (۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) رکھا۔ (۴۸)

اس رسالے میں امام احمد رضا نے پورٹا کے بیان پر ۱۷؍ مواخذات کیے ہیں اور علم ہیئت سے متعلق فاضلانہ بحث کی ہے۔ آخر میں لکھا ہے:

''بیان منجم پر اور مواخذات بھی ہیں مگر ۱۷؍دسمبر کے لیے ۱۷؍ پر ہی اکتفا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم'' (۴۹)

رسالہ 'معین مبین' پہلے پہل ماہ نامہ الرضا (بریلی) کے دو شماروں (صفر و ربیع الاول ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) میں شائع ہوا، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ اردو میں ہونے کی وجہ سے عالمی سطح پر متعارف نہ ہو سکا اور لوگ امام احمد رضا کے افکار سے باخبر نہ ہو سکے۔ ورنہ ۱۷؍دسمبر ۱۹۱۹ء کو دنیا کے مختلف علاقوں میں جو دہشت پھیلی تھی نہ پھیلتی۔ اخبار نیویارک ٹائمز (امریکہ) کے ۱۶؍اور ۱۸؍دسمبر ۱۹۱۹ء کے شماروں (۵۰) کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیرس میں ہزاروں لوگ دہشت کے مارے

گرجا گھروں میں گئے اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں کیں (۵۱) طلبا نے اسکولوں سے چھٹیاں لے لیں (۵۲) ایک جگہ سائرن اور گھنٹیاں بجنے لگیں اور شہر والے سہم کر رہ گئے (۵۳) الغرض ہر طرف موت کے سائے منڈلا رہے تھے۔ مگر جب ۱۷؍دسمبر کا آفتاب غروب ہوا تو پروفیسر البرٹ۔ پورٹا کی پیش گوئی جھوٹی ثابت ہوئی اور امام احمد رضا نے جو کچھ فرمایا تھا حق ثابت ہوا۔

دنیا کے سارے ہیئت داں پورٹا سے متفق تھے اور ۱۷؍دسمبر ۱۹۱۹ء کو دوربینوں سے مشاہدۂ سماوی میں مصروف، قیامتِ صغریٰ کے منتظر تھے مگر بالآخر ان کی نگاہیں ناکام لوٹیں۔ ضرورت ہے کہ کوئی فاضل امریکی ہیئت داں پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا کے مزعومات اور امام احمد رضا کے مواخذات و تحقیقات کا علمی تجزیہ اور تقابل کریں اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگائیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ امام احمد رضا کے مقابلے میں پورٹا کے سارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔

رسالہ 'معین مبین' کی تصنیف کے بعد سیلانِ افکار نے دوسرے رسائل کے رُخ سے پردہ اٹھایا۔ چناں چہ امام احمد رضا نے اس ضمن میں بعض دلائل ردِ حرکت زمین کے متعلق لکھے جو طویل ہوتے دیکھے تو الگ کر لیے اور ردِ فلسفۂ جدیدہ میں ایک مستقل رسالہ ''فوز مبین در ردِ حرکت زمین'' (۵۴) (۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) لکھا۔ اپنی تصنیف 'الکلمۃ الملہمۃ' میں امام احمد رضا نے اس کا اس طرح ذکر کیا ہے:

''فقیر نے ردِ فلسفۂ جدیدہ میں ایک مبسوط کتاب مسمّیٰ بنامِ تاریخی ''فوز مبین در ردِ حرکت زمین'' لکھی، جس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکتِ زمین باطل کی اور جاذبیت و نافریت وغیرہ مزعوماتِ فلسفۂ جدیدہ پر وہ روشن رد کیے جن کے مطالعے سے ہر ذی انصاف پر بحمدہٖ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے کہ فلسفۂ جدیدہ کو اصلاً عقل سے مس نہیں۔'' (۵۵)

فوزِ مبین کی فصلِ سوم میں ذیلی حاشیہ لکھا، جس میں وہ دس دلائل نقل کیے جو فلاسفۂ قدیمہ نے ردِ حرکت زمین پر دیے ہیں۔ امام احمد رضا نے اِن دلائل کے ابطال میں تیس دلائل پیش کیے اور اس بحث کو ایک تیسری کتاب 'الکلمة الملهمة فی الحکمة المحکمة لوهاء فلسفة المشئمة' (مطبوعہ دہلی، ۱۹۷۴ء) میں مرتب کیا۔ (۵۶)

اسلامیہ کالج (لاہور) کے پروفیسر اور پرنسپل پروفیسر حاکم علی مرحوم (۵۷) امام احمد رضا سے بہت متاثر تھے۔ ان کے ہاں آنا جانا بھی تھا اور سائنسی نظریات کے بارے میں بھی ان سے تبادلۂ خیال ہوتا تھا (۵۸) اس سلسلے کی ایک کڑی امام احمد رضا کی کتاب ''نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین و آسمان'' (۱۳۳۹ھ/ ۱۹۱۹ء) ہے جو انھوں نے پروفیسر حاکم علی کی ایک تحریر کے جواب میں لکھی۔ اس اجمال کی

تفصیل یہ ہے:

پروفیسر حاکم علی نے ۱۴؍ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۱۹ء کو امام احمد رضا کو ایک خط لکھا جس میں حرکت زمین کی تائید میں بعض قرآنی آیات کے ساتھ تفسیر جلالین اور تفسیر حسینی سے بعض عبارات پیش کیں اور امام احمد رضا سے درخواست کی کہ حرکت زمین کے قائل ہو جائیں۔ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک مدلل اور محقق رسالہ لکھا۔ جس کا عنوان اوپر گزرا۔ اس رسالے میں امام احمد رضا نے ردِ حرکت زمین پر اپنے دلائل پیش کیے اور مندرجہ بالا دو کتب تفاسیر کے مقابلے میں ۲۸؍ کتب تفاسیر وغیرہ سے حوالے پیش کیے۔(۵۹) امام احمد رضا کے نزدیک مسئلۂ حرکت زمین کو دو ہزار سال بعد ۱۵۳۰ھ میں کوپر نیکس نے پھر اٹھایا ورنہ بقول امام احمد رضا پہلے نصاریٰ بھی سکونِ ارض ہی کے قائل تھے۔(۶۰) امام احمد رضا نے اس رسالے میں پروفیسر حاکم علی کے دلائل کو ضعیف قرار دیا اور مغربی سائنس دانوں کے متعلق لکھا:

''یورپ والوں کو طریقۂ استدلال اصلاً نہیں آتا۔ انھیں اثباتِ دعویٰ کی تمیز نہیں، ان کے اوہام جن کو بنام دلیل پیش کرتے ہیں یہ یہ علتیں رکھتے ہیں۔ مصنف ذی فہم مناظرہ داں کے لیے وہی ان کے رد میں بس ہیں کہ یہ دلائل بھی انھیں علتوں کے پابند ہوس ہیں۔''(۶۱)

پروفیسر حاکم علی نے امام احمد رضا سے یہ التجا کی تھی:

غریب نواز: کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ پھر ان شاء اللہ تعالیٰ سائنس کو اور سائنس دانوں کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے۔(۶۲)

امام احمد رضا نے اس التجا کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ قرآنِ کریم پر ان کے غیر متزلزل ایمان کا آئینہ دار ہے اور ہر مسلمان سائنس داں کے لیے عبرت و نصیحت بھی۔ انھوں نے فرمایا:

''محبِ فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلۂ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائلِ سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جا بجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال و اسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی۔ اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس داں کو باذنہٖ تعالیٰ دشوار نہیں، آپ اسے بچشم پسند دیکھتے ہیں۔ ع

وعين الرضاء عن كل عيب كليلة''

امام احمد رضا مسلمان سائنس دانوں کے نقطۂ نظر اور اندازِ فکر میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ وہ

چاہتے ہیں کہ قرآن کی روشنی میں سائنس کو پڑھا جائے۔ یعنی کامل کی روشنی میں ناقص کو پرکھا جائے۔ قرآن نے جو کچھ کہا سائنس بالآخر وہیں پہنچتی نظر آتی ہے۔ قرآن نے کہا کہ نباتات میں جان ہے، جمادات میں جان ہے، کائنات کے ایک ایک ذرّے میں جان ہے۔ پہلے یہ بات عجیب بات لگی۔ اب سب اقرار کر رہے ہیں۔ قرآن نے کہا یہی شب و روز نہیں جو چوبیس گھنٹوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں، بلکہ ایک جہاں ایسا بھی ہے جہاں کے شب و روز کا ایک دن ہمارے ہزار سال کے برابر ہے۔ پہلے یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی رفتہ رفتہ لوگ یہی حقیقت تسلیم کرنے لگے۔ بھٹک بھٹک کر سب اسی مقام پر آتے جاتے ہیں۔ جہاں قرآن لانا چاہتا ہے۔ ماہرین کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ امام احمد رضا نے ''حال'' میں رہتے ہوئے ''مستقبل'' کا کہاں تک سفر کیا۔ ممکن ہے وہ نظریات جو امام احمد رضا نے پیش کیے ہیں ان سے قبل یا بعد یورپ و امریکہ کے سائنس داں و مفکرین نے پیش کیے ہوں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ یہ نظریات امام احمد رضا سے قبل پیش کیے گئے ہوں۔ تو ایسی صورت میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ امام احمد رضا نے اپنے نظریے کی تائید میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ وہی ہیں جو ان سے قبل پیش کیے گئے یا ان سے مختلف؟

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ نظریات امام احمد رضا کے بعد پیش کیے گئے ہوں، جیسا کہ پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے معاشیات میں نظریہ ''روزگار و آمدنی'' کو امام احمد رضا کی اولیات میں شمار کیا ہے۔(۶۳)

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ نظریات ایسے ہوں جو مفکرین اور دانش وروں نے ابھی تک پیش نہیں کیے۔ ایسے نظریات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور ان کو اہلِ علم کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے اور پیش کیا جانا چاہیے۔ مثلاً مسئلۂ گردشِ زمین جو پہلے مسلمات سے تھا اب اس پر بحث شروع ہو گئی ہے، جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا۔ امام احمد رضا نے بھی اس نظریے کی مخالفت کی اور ۱۰۵؍ دلائل سے اس کو رد کیا۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ امام احمد رضا نے جو کچھ کہا ہو، جدید سائنسی تجربات و مشاہدات نے حتمی طور پر اس کی تغلیط کر دی ہو اور مزید بحث و مباحثہ کی گنجائش نہ چھوڑی ہو، ایسی صورت میں بھی امام احمد رضا داد و تحسین کے مستحق ہیں کیوں کہ عالمی مقابلوں میں شکست کھانے والا بھی انعام کا مستحق ہوتا ہے کہ اس نے ایک بڑے مقابلے کے لیے ہمت تو کی، میدان میں تو آیا۔

جدید و قدیم سائنس کے متعلق امام احمد رضا نے جو کچھ لکھا، وہ بیش تر عربی و فارسی میں ہے، اردو میں بہت کم ہے۔ چناں چہ علمی دشواری یہ ہے کہ اہل علم و فن عربی اور فارسی سے واقف نہیں اور جو

لوگ یہ زبان جانتے ہیں، وہ علومِ جدیدہ پر حاوی نہیں۔ (۶۴)

ڈاکٹر سرضیاء الدین نے امام احمد رضا سے ملاقات کے وقت اسی علمی دشواری کا تذکرہ کیا۔

ڈاکٹر سرضیاء الدین نے امام احمد رضا سے کہا:

''افسوس یہ ہے کہ میں عربی سے ناواقف ہوں اور آپ انگریزی سے۔ کیا اچھا ہوتا کہ عربی کتب کا ترجمہ اردو میں ہوجاتا پھر میں انگریزی کرکے شائع کردیتا۔'' (۶۵)

چناں چہ بعد میں انھوں نے ایک آدمی بھیجا کہ امام احمد رضا کی نگرانی میں ان کے افکار و خیالات کو عربی سے اردو میں منتقل کرے۔ مگر اس سے یہ کام نہ ہوسکا کہ فنی کتابوں کا ترجمہ کرنا جوئے شیر لانا ہے۔

۱۹۷۹ء میں راقم نے مشہور سائنس داں پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام کو امام احمد رضا کے کتب و رسائل کی طرف (۶۶) متوجہ کیا تو انھوں نے اظہارِ معذرت کرتے ہوئے لکھا:

"I shall be happy but I cannot read Arabic."

(ترجمہ: مجھے خوشی ہوتی مگر میں عربی نہیں پڑھ سکتا۔)

لیکن راقم کا اندازہ ہے کہ بلادِ اسلامیہ ایسے علما اور دانش وروں سے خالی نہیں جو جدید و قدیم علوم پر عبور رکھتے ہیں۔ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی (اسلام آباد) کو یہ کام اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے، کم از کم امام احمد رضا کے نادر کتب و حواشی اپنے ہاں محفوظ کر لینے چاہئیں تاکہ محققین ایک ہی جگہ آسانی سے استفادہ کرسکیں۔

مآخذ و مراجع

(کتب)

امام احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین و آسمان، مطبوعہ لکھنؤ

امام احمد رضا: حاشیہ رسالہ لوگارثم (۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) مطبوعہ: کراچی، ۱۹۸۰ء

امام احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوہاء فلسفۃ المشئمۃ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۷۴ء

امام احمد رضا: حاشیہ رسالہ علم مثلث کروی (قلمی)

امام احمد رضا: حاشیہ الدر المکنون (قلمی)

امام احمد رضا: حاشیہ جامع بہادر خانی (قلمی)

امام احمد رضا: تعلیقات علی الزیج الایلخانی (قلمی)

امام احمد رضا: حاشیہ بہادر خانی (قلمی)

امام احمد رضا: معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) (قلمی)

اقبال احمد فاروقی: تذکرہ علماے اہلِ سنّت و جماعت، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۵ء

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد دہم، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

باربرا مٹکاف، ڈاکٹر: ہندوستان میں مذہبی قیادت اور علما مصلحین (۱۸۶۰ء-۱۹۰۰ء) برکلے، ۱۹۷۶ء (انگریزی)

برہان الحق مفتی: اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۰ء

رتن سنگھ بہادر: حدائق النجوم (سہ مجلّات) مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۴۱ء

شجاعت علی قادری مفتی: مجدد الامۃ (عربی) مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۹ء

شرکتِ حنفیہ: انوارِ رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء

ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی

فیاض محمود: تاریخ ادبیات مسلمانانِ ہندوپاک، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۱۹۷۲ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر: عبقری الشرق (انگریزی) مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۸ء

محمد مسعود احمد، پروفیسر: فاضل بریلوی اور ترکِ موالات، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۷ء

محمد یٰسین اختر مصباحی: امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، مطبوعہ الٰہ آباد، ۱۹۷۷ء

نکلس تامس: میراثِ اسلام، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء

(رسائل)

الرضا (بریلی) شمارہ صفر المظفر ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء

الرضا (بریلی) شمارہ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء

الرضا (بریلی) شمارہ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء

الرضا (بریلی) شمارہ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء

المیزان (ممبئی) امام احمد رضا نمبر، شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء

صوت الشرق (قاہرہ) شمارہ فروری ۱۹۷۰ء

(اخبارات)

افق (کراچی) شمارہ ۲۲/جنوری ۱۹۸۰ء

جنگ (کراچی) شمارہ ۱۷/جنوری ۱۹۸۰ء

جنگ (کراچی) شمارہ ۱۱/مئی ۱۹۸۰ء

نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۶/دسمبر ۱۹۱۹ء

نیویارک ٹائمز (امریکہ) شمارہ ۱۸/دسمبر ۱۹۱۹ء

حواشی

(۱) بانی مدرسہ درسیہ (کراچی) مولانا محمد عبدالکریم درس (۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء) نے امام احمد رضا کے سالِ وصال کی مادۂ تاریخ مقبول حق احمد رضا (۱۳۴۰ھ) نکالی ہے۔

نوٹ: امام احمد رضا کے حالات وافکار کے لیے راقم کا مقالہ ''احمد رضا بریلوی'' مطالعہ کریں۔ یہ مقالہ ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے جریدے ماہ نامہ ''فکر ونظر'' کے مندرجہ ذیل شماروں میں شائع ہوا ہے:

''اپریل ۱۹۸۰ء، مئی ۱۹۸۰ء، جون ۱۹۸۰ء'' مزید تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل ماٰخذ سے رجوع کریں:

(الف) فیاض محمود: تاریخ ادبیات مسلمانانِ ہندو پاکستان، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور ۱۹۷۲ء

(ب) محمد مسعود احمد: مقالہ ''رضا بریلوی'' انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد دہم، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

(ج) محمد یٰسین اختر مصباحی: امام احمد رضا اربابِ علم ودانش کی نظر میں، مطبوعہ الہ آباد، ۱۹۷۷ء

(د) المیزان (امام احمد رضا نمبر) ممبئی، مارچ ۱۹۷۷ء

(ہ) انوار رضا: شرکت حنفیہ لمیٹیڈ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء

(و) شجاعت علی قادری: مجدد الامۃ (عربی) مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۹ء

(ز) محمد مسعود احمد: عبقری الشرق (انگریزی) مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۸ء

(ح) محمد برہان الحق: اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۰ء

(۲) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ، مطبوعہ دہلی ۱۹۷۴ء، ص ۶

(۳) ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ دہلی ص ۶

(۴) ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی ص ۱۵۵

(۵) محمد برہان الحق جبل پوری، اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۰ء

(۶) مقالہ مطبوعہ: صوت الشرق (قاہرہ)، شمارہ فروری ۱۹۷۰ء

(۷) باربرا مٹکاف: ہندوستان میں مسلم مذہبی قیادت اور علما مصلحین (۱۸۶۰-۱۹۰۰ء)

(۸) ابرار حسین، مکتوب بہ نام راقم الحروف، مکتوبہ ۱۵/ اپریل ۱۹۸۰ء

(۹) ابرار حسین، مکتوب بنام راقم الحروف، مکتوبہ ۱۹/ اپریل ۱۹۸۰ء

(۱۰) المیزان ممبئی: امام احمد رضا نمبر، مارچ ۱۹۷۶ء، ص ۲۹۱

(۱۱) ایضاً ص ۲۹۸، ۳۰۱

(۱۲) مزید تفصیلات کے لیے تامس آرنلڈ اور الفرڈ گیام کی تالیف ''میراثِ اسلام'' مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء کا مطالعہ کریں۔

(۱۳) احمد رضا: حاشیہ مخطوطہ الدر المکنون (مخزونہ مولانا خالد علی خاں، دار العلوم مظہر اسلام، بریلی)

نوٹ: مولانا خالد علی خاں کے کتب خانے کے مخطوطات سے محترم سید ریاست علی قادری (سیلز منیجر ٹی۔ آئی۔ پی،

کراچی) کی وساطت سے استفادہ کیا گیا۔ موصوف ۱۹۷۹ء میں تقریباً چالیس قلمی حواشی بریلی سے لائے تھے۔ ان مخطوطات کے عکس شیخ صبور احمد (ڈائریکٹر کراچی کیمیکل انڈسٹریز، کراچی) کی عنایت سے راقم کو ملے۔

(۱۴) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۵۵

(۱۵) (الف) احمد رضا: حاشیہ رسالہ لوگارثم (۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء) قلمی، ص ۲۲

(ب) احمد رضا: حاشیہ رسالہ علم مثلث کروی، قلمی، مخزونہ مولانا خالد علی خاں، دار العلوم مظہر اسلام، بریلی ص ۴

(ج) احمد رضا: حاشیہ جامع بہادر خانی، قلمی، مخزونہ مولانا خالد علی خاں، دار العلوم مظہر اسلام، بریلی، ص ۱

(۱۶) (الف) احمد رضا: حاشیہ تحریر اقلیدس، قلمی، دار العلوم مظہر اسلام، بریلی، ص ۳۱

(ب) احمد رضا: حاشیۂ بہادر خانی قلمی، مخزونہ مولانا خالد علی خاں، دار العلوم مظہر اسلام، بریلی ص ۳

(۱۷) جامع بہادر خانی، قلمی، ص ۷

(۱۸) احمد رضا: حاشیۂ جامع بہادر خانی، قلمی (ایضاً) ص ۴

(۱۹) حدائق النجوم: راجہ رتن سنگھ بہادر ہشیار جنگ زخمی کی تصنیف ہے۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ (مطبع محمدی لکھنؤ ۱۸۴۱ء) کتب خانۂ خاص (انجمن ترقی اردو کراچی) میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کی تین جلدیں ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

(الف) جلد اول، ص ۱ تا ۳۸۶ (ب) جلد دوم، ص ۳۸۷ تا ۷۰۰ (ج) جلد سوم، ص ۷۰۱ تا ۱۱۵۸

(۲۰ تا ۲۲) ماہ نامہ الرضا (بریلی) شمارہ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء، ص ۴۵

(۲۳) میر باقر استرآبادی (م ۱۰۴۱ھ/ ۱۶۳۴ء) کی تصنیف 'الافق المبین' کے جواب میں ملا محمد جون پوری نے خود اپنی کتاب 'الحکمۃ البالغۃ' کی شرح 'شمس البازغۃ' کے نام سے لکھی۔

(۲۴) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۱۹ و حاشیہ ص ۸۰

(۲۵) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۴۵

(۲۶) ابن سینا ۳۷۰ھ/ ۹۸۰ء میں پیدا ہوا اور ۴/ رمضان المبارک ۴۲۸ھ/ ۲۱/ جون ۱۰۳۷ء میں ہمدان (ایران) میں انتقال کیا۔ اسلام کا مشہور دانش ور جو ریاضی، فقہ، ادب، ہندسہ، حیات، فلسفہ اور طب وغیرہ پر عبور رکھتا تھا۔ اس نے ۱۶/ ۱۷/ سال کی عمر میں شاہِ بخارا کا علاج کیا اور کتب خانۂ شاہی کا انچارج ہوا۔ طب میں ''القانون''، منطق و فلسفہ میں ''الشفاء''، طبیعیات میں ''تسع رسائل'' اور ہندسہ میں ''ترجمہ اقلیدس'' اس سے یادگار ہیں۔

(۲۷) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۴۲

(۲۸) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۷

(۲۹) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۳۸

(۳۰) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۴۷

(۳۱) المواقف، مصنفہ عبد الرحمٰن ابن احمد الایجی (م ۷۵۶ھ)

(۳۲) المقاصد، مصنفہ سعد الدین مسعود بن محمد تفتازانی (م ۷۹۱ھ)

(۳۳) تجرید، مصنفہ نصیر الدین بن جعفر بن محمد طوسی (م ۶۷۲ھ)

(۳۴) طوالع الانوار، مصنفہ عبداللہ بن عمر بیضاوی (م ۶۸۵ھ)

(۳۵) بیضاوی، مصنفہ عبداللہ بن عمر بیضاوی (م ۶۸۵ھ)

(۳۶) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۹۸۔۹۹

(۳۷) ماہ نامہ الرضا، بریلی، شمارہ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء ص ۳۹

(۳۸) تقریباً ۴۰۰ قبل مسیح، مشہور یونانی فلسفی، دیمقراطیس (Democritus) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مادہ چھوٹے چھوٹے اجزا سے مرکب ہے۔ جب یہ ملتے ہیں تو صورت نکلتی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر ان اجزا کو تقسیم کرتے چلے جائیں تو ایک ایسا مرحلہ بھی آئے گا کہ مزید ٹکڑے کرنا ناممکن ہوگا۔ اس سے جزلا یتجزی (ایٹم) کا نظریہ ابھرا۔ یونانی زبان میں ایٹم کے معنی ہیں ''ناقابلِ تقسیم''، ۱۸۹۸ء میں جے۔ جے ٹامس (J.J. Thomas) نے اس کے خلاف نظریہ پیش کیا اور کہا کہ ایٹم توڑا جا سکتا ہے۔ امام احمد رضا کا یہی عہد تھا اور یہی نظریہ، ۱۹۱۱ء میں رودرفورڈ (Ruther Ford) نے اس خیال کو توسیع دی اور کہا کہ ایٹم کا ایک مرکز ہے، جس کو نیوکلیس (Nucleus) سے تعبیر کیا، اس میں نیوٹرون (Neutron) اور پروٹون (Proton) موجود ہیں اور الیکٹرون نیوکلیس کے اردگرد گھومتے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں نیل بوہر (Nilli Bohr) نے کہا کہ الیکٹرون، پروٹون اور نیوٹرون ایٹم کے حصے ہیں اور محور تبدیل کرتے وقت طاقت خارج کرتے ہیں۔

(۳۹) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۱۳۷

(۴۰) نیوٹن ایک غریب کسان کا لڑکا تھا۔ لندن سے ۱۰۰ کلومیٹر دور ایک گاؤں (Woolsthorpe) میں ۲۵؍ دسمبر ۱۶۴۲ء کو پیدا ہوا۔ ۱۲؍ سال اسی گاؤں میں رہا اور ابتدائی تعلیم یہیں سے حاصل کی۔ ۱۶۶۱ء میں کنگ اسکول سے میٹرک کیا۔ ۱۶۶۵ء میں کیمبرج یونی ورسٹی سے بی۔ اے کیا اور ۱۶۶۹ء میں ریاضی میں ایم۔ اے کیا۔ ۱۶۷۲ء میں رائل سوسائٹی کا رکن منتخب ہوا اور ۱۷۰۳ء میں صدر۔ وہ ٹکسال کا ناظم اعلیٰ بھی رہا۔ ۱۷۰۵ء میں ملکہ این (Anne) نے ''سر'' کا خطاب دیا۔

نیوٹن نے ۲۳؍ برس کی عمر میں ۱۶۶۵ء میں نظریہ ''کشش ثقل'' پیش کیا، سیاروں کے بیضوی محور کو دریافت کیا، تین اساسی اصولِ حرکت دریافت کیے، اختلافِ رنگ اور انتشارِ نور کا باہمی تعلق دریافت کیا، یہ بتایا کہ سفید رنگ سات رنگ کی شعاعوں کا مجموعہ ہے، آواز کی رفتار دریافت کی اور عکس انداز دوربین ایجاد کی، Differential Calculus سے متعارف کرایا اور Binomial Theorem ایجاد کی۔ ۲۰؍ مارچ ۱۷۲۷ء کو ۸۵؍ سال کی عمر میں نیوٹن کا انتقال ہوا اور لندن کے ویسٹ منسٹر گرجا میں رکھا گیا۔ نیوٹن کی دو کتابیں یادگار ہیں: الاصول (Principia) مولفہ ۸۶-۱۶۸۵ء اور (۲) النور (Optics)

(۴۱) ماہ نامہ الرضا، بریلی، شمارہ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء ص ۳۹

(۴۲) ماہ نامہ الرضا، بریلی، شمارہ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء ص ۴۰

(۴۳) آئین اسٹائن (Einstein) ۱۴؍ مارچ ۱۸۷۹ء کو مغربی جرمنی کے مقام اولم میں پیدا ہوا۔ جب جرمنی سے نکلنا پڑا تو امریکہ چلا گیا، اور پرنسٹن یونی ورسٹی میں پروفیسر ریاضیات مقرر ہوا۔ امریکہ میں جوہری توانائی کا کام اسی کے کہنے پر شروع کیا گیا۔ اس نے طبیعیات میں گراں قدر دریافتیں کیں اور نظریۂ اضافیت پیش کیا۔ ۱۹۵۲ء میں امریکہ میں اس کا انتقال ہوا۔

(۴۴) احمد رضا: معین مبین بہر دورِ شمس وسکون زمین (۱۹۱۹ء) قلمی ص ۱۴

(۴۵) پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا کے متعلق بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ مشیگن یونی ورسٹی (امریکہ) سے متعلق رہا۔ لیکن بعض کا کہنا ہے کہ یہ ٹیورن یونی ورسٹی (اٹلی) میں پروفیسر رہا۔ بہر حال یہ سان فرانسسکو (امریکہ) کے ماہر ثواقب (Meteorologist) کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ تفصیلات کے لیے مطالعہ کریں: نیویارک ٹائمز (امریکہ)، شمارہ ۱۶، ۱۸؍ دسمبر ۱۹۱۹ء

(۴۶) نواب صاحب سے مراد نواب وزیر احمد خاں صاحب ہیں۔

(۴۷) ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ص ۲۹

(۴۸) اس رسالے کا مخطوطہ جامعہ راشدیہ (پیر گوٹھ، سندھ) کے شیخ الجامعہ مولانا تقدس علی خاں صاحب کے پاس محفوظ ہے، جس کا عکس محترم سید ریاست علی قادری صاحب (سیلز منیجر، ٹی۔ آئی۔ پی) کراچی کی عنایت سے ملا۔ اب یہ رسالہ مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کر دیا ہے۔ نیز اخبارِ جنگ (کراچی)، شمارہ جنوری ۱۹۸۰ء اور اخبار افق (کراچی)، شمارہ ۲۲؍ جنوری ۱۹۸۰ء میں بھی شائع ہوگیا ہے۔

(۴۹) احمد رضا: معین مبین بہر دورِ شمس وسکونِ زمین (۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) قلمی ص ۱۸

(۵۰) کیلی فورنیا یونی ورسٹی (امریکہ) کی فاضلہ ڈاکٹر باربرا مٹکاف کی عنایت سے ان شماروں کے تراشے ملے۔ راقم ان کا ممنون ہے۔

(۵۱) نیویارک ٹائمز (امریکہ)، شمارہ ۱۸؍ دسمبر ۱۹۱۹ء

(۵۲) ایضاً

(۵۳) ایضاً

(۵۴) اس کتاب کا کچھ حصہ امام احمد رضا کی زندگی میں ماہ نامہ ''الرضا'' (بریلی) کی تقریباً ۱۲ قسطوں میں (رجب ۱۳۳۸ھ تا جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ) شائع ہوا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہوگیا۔ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ کے شمارے (ص ۳۸ تا ۴۰) میں ایک قسط نظر سے گزری، دوسری قسط ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ کے شمارے (ص ۴۱ تا ۴۸) میں مطالعہ کی پہلے شمارے میں ردِ حرکت زمین پر ۲۲؍ سے ۲۵؍ دلائل ہیں اور دوسرے شمارے میں ۲۵؍ سے ۳۳؍ تک۔ دلائل کی کل تعداد ۱۰۵؍ تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں شماروں میں کل مقالے کا عشر عشیر بھی نہیں۔ شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ، سندھ، مولانا تقدس خاں صاحب نے فرمایا کہ ماہ نامہ الرضا کے صفحات پر رسالے کا ایک حصہ شائع ہوا، جس کا فائل ان کے پاس محفوظ تھا جو اب بنگلہ دیش میں ایک صاحب کے پاس ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ رسالے کا اصل مخطوطہ ۲۵۰؍

صفحات پر مشتمل تھا، جو امام احمد رضا کے صاحب زادے مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب کے پاس محفوظ تھا۔ خواجہ رضی حیدر سے معلوم ہوا کہ غالباً ایک مخطوطہ ماریشس میں مولانا محمد ابراہیم خوشتر کے پاس بھی تھا۔ حسن اتفاق کہ محمد یوسف صاحب میمن جن کے پاس الرضا کا فائل ہے، مقالے کی تیاری کے بعد مورخہ ۷/نومبر ۱۹۸۰ء کو کراچی میں راقم سے ملنے آئے اور فرمایا کہ فائل بنگلہ دیش میں محفوظ ہے۔

(۵۵) احمد رضا: الکلمۃ الملہمۃ، مطبوعہ دہلی، ص ۵

نوٹ: نظریۂ حرکت زمین میں اختلاف کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ چناں چہ پاکستان کی ایک خاتون سائنس داں زہرا مرزا قادری نے اختلاف کیا ہے جس کو اخبار جنگ (کراچی) شمارہ ۱۱/مئی ۱۹۸۰ء نے نقل کیا ہے۔ زہرا قادری کو کیلی فورنیا یونی ورسٹی (امریکہ) میں اس مسئلے پر تبادلۂ خیال کے لیے دعوت دی گئی تھی۔

(۵۶) یہ کتاب ۱۹۷۴ء میں دہلی میں چھپ کر میرٹھ میں شائع ہوگئی ہے۔

(۵۷) پروفیسر حاکم علی انجمن حمایتِ اسلام (لاہور) کے بانیوں میں تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے مشہور پروفیسر اور بعد میں پرنسپل رہے۔ ۱۹۲۵ء میں کالج سے سبک دوش ہوئے اور ۱۹۴۴ء میں انتقال کیا۔ تحریک ترکِ موالات کے زمانے (۱۴/صفر ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء) میں انھوں نے امام احمد رضا سے فتویٰ لیا اور اسی پر عمل کیا۔ پروفیسر حاکم علی صاحب کے تلامذہ پرنسپل دار العلوم السنۃ الشرقیہ، لاہور، آقاے بیدار بخت نہایت ممتاز ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ:

''مولانا حاکم علی مرحوم ریاضی میں اس قدر ماہر تھے کہ کلاس روم میں بڑے اعتماد سے بغیر کسی کتاب کے گھنٹوں پڑھاتے رہتے۔'' (اقبال احمد فاروقی: تذکرہ علماے اہلِ سُنّت، لاہور، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۲۸۹)

(۵۸) احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۴ تا ۱۷

(۵۹) امام احمد رضا کا طریقۂ استدلال یہ ہے کہ مخاطب اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے جس فن کی کتابوں سے دلائل پیش کرتا ہے، اسی فن کی کتابوں سے اس کا رد کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ ہر مقام پر اپنا علمی تبحر قائم رکھتے ہیں۔

(۶۰) احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۲۳

(۶۱) احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۲۳

(۶۲) احمد رضا: نزولِ آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۲۴

(۶۳) رفیع اللہ صدیقی: فاضل بریلوی کے معاشی نکات، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۳، ۱۴

نوٹ: ۱۹۱۳ء میں امام احمد رضا نے یہ نظریہ پیش کیا پھر بعد میں ۱۹۲۶ء میں کینز (Keynes) نے یہ نظریہ پیش کر کے انگلستان کا اعلیٰ ترین اعزاز حاصل کیا۔

(۶۴) انگریزی نظامِ تعلیم نے ہم کو فارسی و عربی سے بیگانہ کر کے ماضی سے منقطع کر دیا۔ ہم علماے دین کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور اس کا احساس نہیں کہ انھوں نے ہم کو ہمارے شان دار ماضی سے وابستہ کر رکھا ہے۔ آزاد جموں وکشمیر یونی ورسٹی قابلِ مبارک باد ہے کہ اس نے اپنے یہاں عربی اور اسلامی کلچر کو لازمی مضامین کی حیثیت دی ہے۔

(۶۵) ظفر الدین بہاری: حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص ۱۵۲

(۶۶) محررہ ۱۹۷۹ء

☆☆☆

امام احمد رضا ایک موسوعاتی سائنس داں

پروفیسر جمیل قلندر

قرآن حکیم نے انسانی ذات، خارجی کائنات اور خالقِ کائنات سے متعلق ایک نئے اسلوبِ بیان اور اندازِ فکر کی داغ بیل ڈالی جسے آج کل کی اصطلاح میں Interdisciplinary یا Holistic approach کہتے ہیں۔ اس کی رو سے بزمِ ہستی کی مختلف اور متنوع اشیا کو علیٰحدہ علیٰحدہ دیکھنے کی بجائے ان کو ایک دوسرے کے مشترکہ تناظر میں دیکھتے ہیں۔ قرآن حکیم کے بعد دو شخصیتیں قابلِ ذکر اور لائق توجہ ہیں۔ جنھوں نے خالص دینی پلیٹ فارم سے اس قسم کے بین الموضوعاتی اور کلیاتی موقف اپنا کر اس کی تعلیم دی۔ ایک شخصیت مبارکہ تو حضرت امام علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ گرامی قدر ہے، جن کا کلام انفس وآفاق کے گوشوں پر محیط ہے، اور علم ومعرفت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، اور دوسری شخصیت برگزیدہ حضور رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کی ذریت میں سے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جنھوں نے اس قسم کے اندازِ فکر کو نہ صرف آگے بڑھایا، بلکہ اسی کے مطابق سائنس دانوں، فلسفیوں، علما اور فقہا کی ایک پوری نسل تیار کی۔ جس میں آپ کے ایک ہونہار شاگرد امام ابو حنیفہ بھی ہیں، جن کا اپنے استاد کی شان میں یہ قول ضرب المثل بن چکا ہے۔

لو لا سنتان لهلک النعمان

''اگر میری عمر کے وہ آخری دو سال نہ ہوتے جو میں نے اپنے استاد امام جعفر صادق کے تلمذ میں گزارے ہیں، تو یہ نعمان کبھی کا ہلاک ہو چکا ہوتا۔''

خالص دینی پلیٹ فارم سے ہٹ کر خالص علمی، سائنسی اور فلسفیانہ میدان میں یہ اندازِ فکر مسلمان سائنس دانوں، فلسفیوں، متکلمین، مؤرخین، علما اور فقہا کا طرۂ امتیاز رہا، جن میں سے ہر ایک فرد نے ایک حیرت انگیز انسائیکلو پیڈیائی (Encyclopedic) ورثہ نوع انسانی کے لیے چھوڑا ہے۔

دنیاے مشرق کے زوال وانحطاط کے بعد سُستی، کاہلی، کام چوری اور سہل پسندی عام ہوگئی اور اس کے ساتھ وہ انسائیکلو پیڈیائی روح جاتی رہی اور پھر وہ وقت آیا کہ اہلِ مغرب کی تقلید میں یہاں کسی ایک شعبۂ علم وفن میں تخصص (Specialization) کے رجحان نے لے لی، اب صورتِ حال یہ ہے کہ ایک شخص کسی ایک شعبۂ علم وفن میں ماہر تو ہوگا مگر دوسرے متعلقہ یا غیر متعلقہ (مگر بے حد مفید اور

اہم) شعبہ ہائے علم وفن سے بالکل کورا اور بے خبر ہوگا۔

انسائیکلوپیڈیائی دور کی طرف از سرِ نو مراجعت:

حال ہی میں اربابِ تحقیق پر جب نرے تخصص (Specialization) کی خامیاں اور ناکامیاں کھل گئیں تو انھوں نے کوششیں شروع کیں کہ عہدِ رفتہ کی اس انسائیکلوپیڈیائی اسپرٹ کو پھر سے زندہ کیا جائے، جسے عصرِ حاضر کی اصطلاح میں Interdisciplinary یا Holistic approach کہتے ہیں۔

تقسیم پاک و ہند سے پہلے ہندوستان میں علامہ امام احمد رضا خاں بریلوی دینی پلیٹ فارم پر غالباً وہ واحد شخصیت نمودار ہوئے، جنھوں نے نرے اسپیشلائزیشن کی روش سے ہٹ کر علوم وفنون کے بارے میں وہی انسائیکلوپیڈیائی، موسوعاتی، انٹرڈسپلینری اور ہولسٹک رویہ اپنایا، جو مشرق کے قدیم سائنس دانوں، فلسفیوں، علما اور مؤرخین کا وطیرہ اور معمول رہا ہے۔

علامہ امام احمد رضا بریلوی نے ایک ہزار تصانیف، حاشیوں اور شرحوں کا ذخیرہ چھوڑا ہے، جو ایک اندازے کے مطابق ستر علوم وفنون پر محیط ہے، اور دوسرے اندازے کی رو سے موضوعات کی یہ تعداد سو سے بھی زیادہ ہے، جن میں ایک ریاضیات بھی ہے، جس پر علامہ امام بریلوی کی ۷۲ر تصنیفات کتابوں مقالوں اور حاشیوں کی شکل میں موجود ہیں۔

تحقیق واجتہاد میں استقرا اور ریاضیاتی وہندسی طریقۂ استدلال کا استعمال:

علامہ امام بریلوی نے اپنی تحقیقات واجتہادات کی بنیاد خلاصۂ استقرا یعنی ذاتی تجربے اور مشاہدے پر رکھی اور اس میں استدلال کا طریقہ قطعی طور پر وہی اپنایا جسے ریاضیاتی و ہندسی طریقۂ استدلال (Mathimatical & Geometrical Method of Argumentation) کہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ علامہ امام بریلوی ایک سائنس داں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ ریاضی داں بھی تھے۔

ریاضیات کے میدان میں:

پانچویں صدی کے برصغیر سندھ وہند میں البیرونی کی تحقیقات ہی سے ریاضیات میں اقلیدس کی جیومیٹری اور فلکیات میں زیجات (Geometrical tables) کے مطالعہ کا آغاز ہوا اور جو فاضل محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی فاضلانہ رائے میں ''علامہ بریلوی کی باقیاتِ صالحات پر ختم ہوا''، جن کی ادنیٰ سی جھلک ان کی ''تحریر اقلیدس'' میں دکھائی دیتی ہے بلکہ زیجات کے مسائل سے متعلق ان کے

مطالعے اور فہم وادراک کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے شیخ الطائفہ نصیر الدین طوسی کی تیار کردہ ''زیج ایلخانی'' اور برصغیر سندھ و ہند کے ماہرِ فلکیات غلام حسین جون پوری کی ''زیج بہادر خانی'' پر فاضلانہ اور محققانہ حاشیے تحریر کیے۔ ریاضیات کے موضوع پر علامہ امام بریلوی نے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ۷۲ر تصنیفات چھوڑی ہیں۔

طبعیات کے میدان میں:

طبعیات کے موضوع پر علامہ امام بریلوی کی تحقیقات اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والی ہیں۔ مثلاً آواز کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ آواز جب ہوا میں سفر کر رہی ہوتی ہے، تو بے آواز ہوتی ہے، پھر (ان کے الفاظ میں) ''اس کی کاپیاں چھپتی ہوئی ہمارے کانوں تک پہنچتی ہیں، اس کو آواز کا سننا کہا جاتا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب زادہ ابوالخیر محمد زبیر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فاضل بریلوی کی اس نفیس تحقیق کی رو سے انسان جب کلام کرتا ہے تو اس کے منھ میں ایک خاص قسم کی شکل اور ایک کیفیت مخصوصہ پیدا ہوتی ہے جسے آواز کہتے ہیں۔ اس آواز کی کاپیاں ہوتی چلی جاتی ہیں، اور ہوا کی موجوں میں تیرتی ہوئی سینکڑوں لوگوں تک پہنچتی ہیں۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہزاروں آوازیں تھیں، بلکہ ہر کوئی یہ کہتا ہے کہ ایک آواز تھی جس کو سب لوگوں نے سنا، کیوں کہ وہ اسی آواز کی امثال اور اس کے مشابہ شکلیں ہوتی ہیں جو ہزاروں کانوں تک پہنچتی ہیں اور وہ تمام شکلیں اور کاپیاں ایک ہی آواز کہلاتی ہیں، حتیٰ کہ صدائے بازگشت بھی اس کی اصل آواز ہے اور جو ٹیپ ریکارڈ اور فونوگرام میں ٹیپ ہے وہ بھی اصل آواز ہے۔''

روشنی کے بارے میں علامہ امام بریلوی کے مشاہدات قابلِ توجہ ہیں۔ علم بصریات (Optics) میں انعطافِ نور (Refraction of light) اور انعکاسِ نور (Reflection of light) دو اہم تصورت ہیں۔ انکسارِ نور/ انعطافِ نور کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''معمول سے زیادہ ہوا میں رطوبت یا کثافت اگرچہ انکسار میں کمی بیشی لاتی ہے، جس کا ادراک تھرمامیٹر سے ممکن ہے اور وہ قبل از وقوع نہیں ہوسکتا، مگر یہ تفاوت غیر اہم ہے...... کوکب جب تک ٹھیک سمت الرأس نہ ہو، انکسار کے پنجے سے نہیں چھوٹ سکتا، مگر مشاہدے نے انکسار افقی کلی بتایا اور تناسب سے انکساراتِ جزئیہ تدرک ہوئے، جن کے جدول فقیر نے اپنی تحریراتِ ہندسیہ میں دی ہے۔ اس کے ملاحظہ سے پھر ان ہی قوانین نے راہ پائی اور ہر دن کے لیے وقتِ عصر پیش از وقوع ہمیں بتانا

آسان ہوا۔''

علاوہ ازیں، ''فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین'' کے عنوان سے علامہ امام بریلوی نے ایک کتابچہ لکھا ہے، جس میں زمین کی حرکت کے رد پر کل اکسٹھ (۶۱) دلائل دیے ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل جو زمانۂ قدیم سے چلی آئی ہے، یہ بھی ہے کہ اگر کسی خاص جگہ سے کوئی وزنی شے سیدھی عموداً اوپر پھینکی جائے تو دوبارہ ٹھیک اسی جگہ پر آ کر گرتی ہے، جب کہ زمین کی حرکت کی صورت میں وہ اس جگہ سے ہٹ کر کسی اور جگہ گرتی۔ گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں البیرونی کے ایک ہم عصر سائنس داں ابوسعید احمد بن محمد بن عبدالجلیل نے اس مفروضے کو اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر آزما کر دیکھا کہ پھینکی ہوئی وزنی شے فی الواقع نشان زدہ جگہ سے ہٹ کر آ گرتی ہے اور یوں اس نے زمین کی حرکت کو ثابت کیا۔

اقتصادیات کے میدان میں:

اقتصادیات کے موضوع پر ''کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم'' اور ''تدبیر فلاح و نجات و اصلاح'' کے عنوان سے علامہ امام بریلوی کے دو کتابچے منظر عام پر آ چکے ہیں جو رہنما معاشی تصورات (Key Economic Concepts) پر مشتمل ہیں۔

علاوہ ازیں ناپ تول کے پیمانوں اور کرنسی نوٹوں کی قیمتِ صرف سے متعلق، دقیق و لطیف ریاضیاتی تجزیے کی بنیاد پر، آپ کی تحقیقات و مباحث بڑی محیر العقول ہیں۔

فلسفے کے میدان میں:

علامہ امام بریلوی نے، فلسفے کے موضوع پر ''الکلمۃ الملہمۃ'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں کل اکتیس (۳۱) مسائل زیر بحث آئے ہیں جب کہ اس سے پہلے غزالی کی کتاب ''تہافۃ الفلاسفۃ'' میں صرف بیس مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے اس ضمن میں شبیر احمد غوری کے ایک محققانہ مقالے کا حوالہ دیا ہے جس کی رو سے علامہ امام بریلوی کی کتاب ''الکلمۃ الملہمۃ'' عصرِ حاضر کی ''تہافۃ الفلاسفۃ'' ہے۔

فقہ کے میدان میں:

فقہ کے موضوع پر علامہ امام بریلوی کی کتاب ''فتاویٰ رضویہ'' جو ۱۲ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے[۲]، اور جو ریاضیاتی، ہندسی، فلسفیانہ، سائنسی، علمی اور فقہی طریقۂ استدلال پر مبنی معلومات کا ایک شاہ کار انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد صادق ضیا اپنے ایک فاضلانہ اور محققانہ مقالے میں لکھتے ہیں: ''فقہ حنفی کے تحیر خیز خزانہ ''فتاویٰ رضویہ'' کے مصنف امام احمد رضا ایسے عظیم حنفی فقہا

سے تعلق رکھتے ہیں جنھوں نے مسائلِ فقہ میں ریاضی کے استعمال میں خصوصی مہارت کا اظہار کیا، اور فقہی فکر میں سائنسی بنیاد فراہم کی''...... اور اب ڈاکٹر محمد اقبال کی یہ رائے بھی سنیے:

''ہندوستان کے دورِ آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت، فطانت، جودتِ طبع، کمالِ ثقاہت اور علومِ دینیہ میں تبحرِ علمی کے شاہد عادل ہیں...... مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر سے کرتے ہیں لہٰذا انھیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں بھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بہ ایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر چہ یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا گویا اپنے دور کے امام ابوحنیفہ ہوتے۔''

ماوراء الطبیعیات (Metaphysics) کے میدان میں:

سترہویں صدی کے اختتام پر، اور اٹھارہویں صدی کے آغاز میں مغرب میں چند سطحی اور ظاہر بیں فکر نے جنم لیا، جنھوں نے بعد میں جا کر ایک مستقل فلسفے کی شکل اختیار کی۔ یہ فلسفہ ظواہریت (Phenomenologism) کے نام سے مشہور ہوا۔ اس فلسفے کی ساری تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ، انسان علم و تحقیق میں چاہے جتنا آگے بڑھتا جائے، اوپر چڑھ جائے، اور نیچے گہرائیوں میں اتر جائے، وہ اپنے محسوسات کے دائرے سے نہیں نکل سکے گا، بلکہ اس کے اندر محصور رہے گا۔ انگلستان میں لوک، ھوبز اور ھیوم جیسے فلسفیوں نے اس کی داغ بیل ڈالی اور جرمنی میں عمانویل کانٹ نے اس کو اپنی منطقی انتہا تک پہنچا دیا۔ کانٹ کی رائے میں انسان اشیا کے صرف ظواہر کو جان سکتا ہے، پر ان کی حقیقت اور کنہ، ماہیت کا ادراک نہیں کر سکتا۔ بہ الفاظ دیگر، وہ بزمِ ہستی کے ظواہر (Phenomena) کے پیچھے ''غیب کی دنیا'' کا علم حاصل نہیں کر سکتا۔ اس طرزِ فکر نے آگے چل کر اس سے زیادہ خشک، بے جان اور بانجھ فلسفوں کو جنم دیا۔ مثلاً مادّیت (Materialism)، واقعیت (Realism)، تجربیت (Empiricism)، الحادی وجودیت (Existentialism) اور منطقی ایجابیت (Logical Positivism) وغیرہ۔ ان سب کا متفقہ موقف کم و بیش یہ رہا کہ اول تو غیب کی دنیا کا سرے سے وجود نہیں ہے، اور اگر بالفرض ہے بھی تو انسان کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ موقف ہے جس کے قائل لوگوں کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے:

بَلِ ادّٰرَکَ عِلۡمُھُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ بَلۡ ھُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّنۡھَا بَلۡ ھُمۡ مِّنۡھَا عَمُوۡنَ
(سورۃ النمل:۶۶)

"نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ غیب کی دنیا کے بارے میں ان کے علم کی پونجی ختم ہوگئی، بلکہ یہ تو اس کے متعلق شک میں ہیں، نہیں بلکہ یہ اس سے کورے اور اندھے ہیں۔"

مشرق ان فلسفوں کی یلغار سے متاثر ہوئے بغیر کب رہ سکتا تھا، یہاں تو پہلے ہی اس قسم کی ظواہریت کا طوفان گزر چکا تھا۔ جس سے ابن تیمیہ جیسے دماغ شعوری اور لاشعوری طور پر اس قدر متاثر اور مسحور ہو گئے کہ انھوں نے بھی عمانویل کانٹ کی طرح ظواہریت پر مبنی لاادْرِیَت (Agnosticism) کا رویہ اپنا کر یہ کہنا شروع کیا کہ غیب کی دنیا انسان کی حیطۂ علم وادراک سے باہر ہے۔ انھوں نے یہ نہ سوچا کہ قرآن حکیم نے اپنی دوسری صورت کے آغاز ہی میں متقین کی ایک صفت یہ بھی بتائی ہے کہ "الذین یومنون بالغیب" یعنی "جو غیب میں ایمان رکھتے ہیں۔" اور جہاں تک "ایمان کی حقیقت" کا تعلق ہے تو حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "حقیقتِ ایمان" اور امام علی کرم اللہ وجہہ نے "حقائقِ ایمان" کے مفہوم کے حوالے سے اپنے فرمودات میں ایمان کی تعریف میں غیب اور مغیبات کے علم وادراک کو سرِ فہرست قرار دیا ہے اور علامہ سلیمان درانی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ غیب کی دنیا کا مشاہدہ ایمان کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔

دنیائے فکرِ اسلامی میں شیخ سید عبدالقادر جیلانی، محی الدین ابن عربی، مولانا جلال الدین رومی، شیخ شاہ شرف الدین بوعلی قلندر، اخوان الصفاء، غزالی، شیخ شہاب الدین یحیٰ سہروردی، عراقی، جلال الدین دوانی، شیخ الطائفہ نصیر الدین طوسی، محمود شبستری، سنائی، عطار، شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ دہلوی اور ڈاکٹر محمد اقبال (رحمہم اللہ تعالیٰ) جیسے نابغۂ روزگار صاحبانِ دل ودماغ یکے بعد دیگرے فکر و وجدان کے اسٹیج پر نمودار ہوئے اور انھوں نے عقل ونقل، روایت ودرایت اور تجربہ ومشاہدہ کی بنیاد پر اسی قسم کی ظواہریت کے منطقی، علمی اور نفسیاتی مغالطوں کو بے نقاب کیا۔

تقسیم پاک وہند سے پہلے ہندوستان میں اور خود سرزمینِ حجاز میں اس ظواہریت اور اس سے پیدا شدہ دوسرے خشک، بے مغز وبے جان اور بانجھ فلسفوں نے بڑے بڑے نابغۂ روزگار دماغوں کو متاثر کیا، جن میں سرسید احمد خاں اور شیخ عبدالوہاب نجدی سرِ فہرست ہیں۔ اول الذکر کی طرف قرآن حکیم کی تفسیر میں نیچریت (Naturalism) کا متشددانہ رویہ اور ثانی الذکر کی طرف سے توحیدیت کے بل بوتے پر غیب کی دنیا کے بارے میں وہی لاادریت (Agnosticism) کا مسلک، دونوں اس قدیم وجدید ظواہریت کی صدائے بازگشت اور فوٹو کاپی ہیں۔

روس میں مارکس اور لینن کا نہایت منظم جدلی فلسفہ اور اس پر مبنی اشتراکی نظام کا عظیم الشان

منصوبہ اس لیے ناکام ہوا، کہ اس کی بنیاد ہی اس ظواہریت اور مادیت پر رکھی گئی تھی، جو عقل وفکر، تصور و تخیل، توہم وتجسس، وجدان والہام اور تحقیق وتخلیق کی وسعتوں، بلندیوں اور گہرائیوں سے قطعاً ناآشنا تھی۔

اس سے پہلے کہ ہم یہاں اس بحث میں داخل ہوجائیں کہ ہندوستان میں علامہ امام احمد رضا خاں غالباً وہ پہلا نابغۂ روزگار ذہن ہے جس نے اس قسم کی ظواہریت، مادیت اور حسیت پر مبنی لاادریت کے مضمرات (Implications) کو نہ صرف بھانپ لیا، بلکہ اس کے منطقی اور علمی مغالطوں کی نشان دہی کرنے کو اپنا مشن اور اوڑھنا بچھونا بنایا، یہ مناسب ہوگا کہ اس گفتگو کے لیے ایک ضروری اور مختصر سا تمہیدی پس منظر مہیا کیا جائے۔

اگرچہ کرۂ زمین پر علما محققین کے نزدیک کئی عظیم الشان سائنسی ادوار آئے اور گزرے ہیں، جو عروج (Climax) اور زوال (Anticlimax) کے قدرتی عوامل سے گزر چکے ہیں، عصرِ حاضر ہمارے لیے اس لیے اہم اور توجہ طلب ہے کہ ہم خود اس میں سانس لے رہے ہیں۔ اس عصر میں جہاں سائنس اور ریاضیات کم وبیش فلسفہ بن چکی ہیں، وہاں نفسیات نے باطنی علوم (Occoult Sciences) کی دہلیز پر قدم رکھا ہے۔ اس سے انسانی دماغ اور ذہن کے کئی ایسے گوشے سامنے آئے ہیں جنھوں نے نہ صرف تجرباتی طریقۂ کار (Empirical Methodology) کے خوگر اور دل دادہ سائنس دانوں کو چونکا دیا، بلکہ صحافت اور فوجی امور کے ماہرین کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس قسم کا صحافی اور فوجی امور کا ماہر Larry Collins بھی ہے جو اپنے مشہور ناول Maze کے ایک روسی کردار کی زبان سے ہمیں یہ سناتا ہے کہ:

"انسانی دماغ اس کرۂ زمین پر سب سے زیادہ پے چیدہ مشینری ہے پہلے تو یہ ملاحظہ کیجیے کہ اس کا اندرونی مواد ۱۵؍ بلین عصبی خلیوں پر مشتمل ہے۔ جتنے لوگ اس کرۂ زمین پر رہتے ہیں ان سے کہیں زیادہ خلیے انسانی دماغ میں ہوتے ہیں۔ ہر خلیہ ایک ننھی سی لیبارٹری (Mini Lab) ہوتی ہے، جو ہمہ وقت مسلسل کام کر رہا ہوتا ہے۔ اکثر لوگ کمپیوٹر اور انسانی دماغ کا آپس میں موازنہ کرتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ دماغ کے اندر کوئی بھی حادثہ ایک سکنڈ کے ہزارویں حصے سے زیادہ تیز رونما نہیں ہوتا۔ اس کا موازنہ اس رفتار کے ساتھ جس میں موجودہ کمپیوٹر معلومات Process کرتے ہیں، یہ اسی طرح ہے جیسے ایک پیدل چلتے ہوئے آدمی کا ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کے ساتھ کیا جائے۔ بہر حال دماغ کا ہر نیورن (Neuron) کا موازنہ شاید ایک کمپیوٹر کے مرکزی کنٹرول یونٹ کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ بیش تر کمپیوٹر میں اس قسم کا صرف ایک یونٹ ہوتا ہے۔ بہت تھوڑے ایسے ہیں جن میں

پانچ یا چھ یونٹ ہوتے ہیں، جب کہ انسانی دماغ میں اس قسم کے ۱۵؍ربلین یونٹ ہوتے ہیں، یہ صورتِ حال انسانی دماغ کو ایک ایسی متوازی پروسیسنگ صلاحیت دیتی ہے، جو کسی بھی ایسے کمپیوٹر سے، جو انسان کے وہم وگمان میں آ سکتا ہے اتنی زیادہ ہے کہ ہم اس پر قادر نہیں کہ اس کو سمجھنے لگ جائیں۔''

مطلب یہ کہ انسانی دماغ کی استعداد وصلاحیت کمپیوٹر کی قوت سے ناقابلِ بیان وادراک حد تک، لامتناہی طور پر زیادہ ہے اور وہ بھی اس کمپیوٹر سے جس کے ایک ننھے سے قرص (Mini Disc) میں، جو انسانی ناخن پر آ سکتا ہے، دنیا کی سب سے بڑی لائبریری، امریکن کانگریس لائبریری میں سمودی گئی ہے اور اب یہ کوشش ہو رہی ہے کہ اس کو مزید گھٹا اور سمٹا کر ایک ایسے ہندسی نقطے پر لایا جائے، جس کی قوتِ ہضم مذکورہ کمپیوٹر منی ڈسک سے کئی گنا زیادہ ہو۔ اس سے آپ انسانی دماغ کی قوت وصلاحیت کا اندازہ لگائیے جس کے اندر ۱۵؍ربلین پروسیسنگ یونٹ ہوتے ہیں۔

انسانی دماغ کی یہی وہ حیرت انگیز قوت وصلاحیت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام علی کرم اللہ وجہہ یوں فرماتے ہیں:

وَتحسبُ أنَّکَ جرمٌ صغیرٌ
وَفیکَ انطَوی العالمُ الأکبرُ
وَأنتَ الکتابُ المُبینُ الَّذی
بِأحرفِه یُظهرُ المُضمَرُ

یعنی ''تو گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا ذرّہ ہے، جب کہ تیرے اندر پوری کائنات سمودی گئی ہے اور تو ہی وہ کتابِ مبین ہے جس کے حروف میں پوشیدہ حقائق آشکارا کیے جاتے ہیں۔''

یہی وہ راز ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے ان آیات میں اشارہ کیا ہے:

(۱) وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (سورۂ یٰسۤ:۱۲)
''اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔''

(۲) وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ کِتٰبًا (سورۃ النبا:۲۹)
''اور ہم نے ہر چیز لکھ کر شمار کر رکھی ہے۔''

(۳) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ (سورۃ البقرۃ:۳۱)
''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیا کے نام سکھائے۔''

گویا ''آدم'' حریمِ باری تعالیٰ کا ایک ایسا سوپر کمپیوٹر ہے جس میں علم الأسماء کی اتنی لامتناہی

مقدار feed کر دی گئی جس کی بدولت وہ ملائکہ کا مسجود بن گیا۔

یہ تو آدم علیہ السلام کا مقام تھا، اور وہ جن کی خاطر آدم علیہ السلام کو ہراول دستہ کے طور پر بھیجا گیا اور جس کے نور کو انبیا ورُسل کی اصلاب میں سے تقلب وتحول کے کئی مراحل سے گزار کر، جوہرِ لطیف کی طرح کشید کیا گیا، اس ذاتِ عالی مرتبت علیہ الصلاۃ والسلام کے علم ومعرفت کی وسعتوں، گہرائیوں اور بلندیوں کا کیا حال ہوگا اور اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

یہی وہ نکتہ ہے جسے علامہ امام (احمد رضا) بریلوی نے اپنی مشہور تصنیف ''الدولة المکیة بالمادة الغیبیة'' میں اس حسن وخوبی کے ساتھ سجھایا اور سمجھایا ہے، جس کو پڑھ کر عرب وعجم کے مشاہیر علما اور فضلا نے اس پر تقاریظ لکھ کر اس کے مصنف کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

حواشی:

(۱) مقالہ نگار موصوف کی نظر سے پوری کتاب 'فوزِ مبین در رد حرکت زمین' نہیں گزری، کتاب میں امام احمد رضا نے ۱۰۵؍دلائل دیے ہیں۔

(۲) فتاویٰ رضویہ ۱۲؍جلدوں پر مشتمل اور ہر جلد جہازی سائز کے ہزار صفحات پر مشتمل تھیں اور ان میں تخریج وتحشیہ کا کام نہ تھا، رضا فاؤنڈیشن لاہور نے مع تخریج وتحشیہ والتزام ماخذ ۳۰ ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے جس کے ہندوستان میں متعدد ایڈیشن مرکز برکاتِ رضا پور بندر گجرات سے شائع ہو چکے ہیں۔ (از: ادارہ)

☆☆☆

''مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہٗ نے اس گھر میں آنکھ کھولی جو تقریباً ڈیڑھ سو سال سے فقہ اور فتاویٰ کا عظیم مرکز رہا کہ آپ کے والد گرامی اعلیٰ حضرت کے جد امجد امام العلما حضرت علامہ مفتی رضا علی خاں بریلوی قدس سرہٗ (متوفی ۱۲۸۲ھ) اور آپ کے جد امجد امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۹۷ھ) نے صرف یہی نہیں کہ فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بلکہ اپنے اپنے زمانہ کے مفتیانِ کرام وعلماے عظام سے اپنی علمی صلاحیت اور فقہی بصیرت کا لوہا منوا کر مرجع فتاویٰ رہے۔''

فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ

(تقدیم: فتاویٰ مصطفویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۸۰۷)

علم ہندسہ پر امام احمد رضا کی نقد و نظر

خواجہ مظفر حسین رضوی

علم ریاضی اور بالخصوص علم ہندسہ ایسا علم ہے کہ جس کے شبستاں میں وثوقِ یقین کا جلتا ہوا چراغ کبھی بجھتا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے علوم عقلیہ خواہ طبیعیات ہوں یا الٰہیات اپنے فلسفیانہ استدلال کی وجہ سے کتنے ہی ٹھوس کیوں نہ محسوس ہوں لیکن کبھی کبھی وقت کی عبقری شخصیت اسے متزلزل کر ہی دیتی ہے۔ اور پھر دل پکار اٹھتا ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

لیکن علم ریاضی کا تنومند شعبۂ ہندسہ وحساب ہر دور میں چٹان کی طرح ایک چیلنج بن کر بڑی بڑی شخصیات سے اپنا لوہا منواتا رہا، وقت کی عظیم شخصیتیں آنکھیں بھر کر ان دونوں کے جمالِ جہاں آرا کا نظارہ تو کر سکیں لیکن کبھی بھی انھیں آنکھیں نہ دکھا سکیں لیکن امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان کے بھی بعض مسائل پر ایسی جرح وتنقید فرمائی ہے جس کی وجہ سے وہ بھی کہیں کہیں دم توڑتا نظر آتا ہے۔ اور اپنے عقیدت کیش سے تعاون کی فریاد کرتا ہے۔ کاش کوئی ان کی فریاد رسی کا بیڑا اٹھالے۔ آیے ہم اور آپ امام احمد رضا کی عالمانہ جرأت کا مشاہدہ کریں۔

علم ہندسہ کے مقالۂ دوم میں ایک دعویٰ ہے کہ ہر خط کی ایسے دو حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے کہ جز اکبر کا مربع اس کے جز اصغر اور کل کے حاصل ضرب کے برابر ہو، یہ مقالۂ دوم کی گیارہویں شکل ہے۔ مہندسین نے اس دعویٰ کے اثبات کے لیے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے:

(۱) پہلے اس کی ساخت اور بناوٹ بتائی گئی ہے کہ وہ خط مفروض جسے ہمیں مندرجہ بالا شرط پر تقسیم کرنا ہے۔ اسے ہم خط اب مان لیتے ہیں اور پھر اس خط پر ایک مربع اب ء ح بناتے ہیں۔ اور پھر اس مربع کے زاویہ ب سے خط اح کے ٹھیک نصف پر خط ب ہ اس طرح کھینچتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ہ اب مثلث قائمۃ الزاویہ بن جائے اور پھر خط ہ ا کو نقطۂ ز تک بڑھا کر ب ہ کے مساوی کرتے ہیں۔ اب پھر خط از پر ایک مربع از ع ط تیار کرتے ہیں۔ جس میں خط ع ط کو کھینچ کر سابق مربع کو کاٹتے ہوئے ک تک پہنچا دیتے ہیں۔ تو مفروضہ خط اب نقطۂ ط پر مندرجہ بالا شرط پر منقسم ہو جائے گ۔ ا یعنی خط اط جز

اکبر کا مربع خط اصغر اور کل یعنی ط ب × اب کے حاصل ضرب کے برابر ہو جائے گا۔ اور چوں کہ خط اب اور خط ب ء دونوں ایک ہی مربع کے اضلاع ہیں اس لیے دونوں باہم برابر ہیں اس لیے از ع ط کا مربع سطح ط ب ء ک کے برابر ہے۔

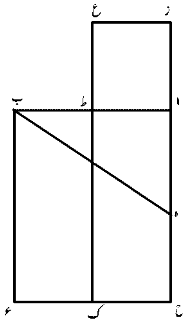

(۲) اس ساخت اور بناوٹ کے بعد اس دعویٰ کے ثبوت پر مہندسین نے اس طرح استدلال قائم کیا ہے، کہ چوں کہ خط ہ ب مثلث قائمۃ الزاویہ ہ اب کا وتر ہے اس لیے بشکل عروس خط ب ہ کا مربع، خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہوگا اور چوں کہ باعتبارِ ساخت خط ہ ز خط ب ہ کے برابر ہے اس لیے اس کا بھی مربع خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہوگا (اسے محفوظ اول سمجھیں)

شکل عروفی کے دعویٰ کا الجبرائی اثبات:

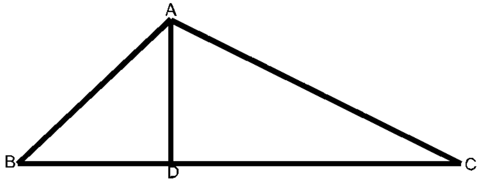

مقالۂ اولیٰ کو ۴۷ رویں شکل میں یہ دعویٰ ہے کہ مثلث قائمۃ الزاویہ کے وتر کا مربع باقی دونوں ضلعوں کے مربعوں کے برابر ہوتا ہے۔

اس کا الجبرائی اثبات یہ ہے کہ ہم نے مثلث قائمۃ الزاویہ ABC کے زاویہ قائمہ A کے وتر BC پر AD عمود ڈالا جو مقالۂ سادسہ کی آٹھویں شکل کی رو سے مثلث کو دو ایسے مثلثوں میں تقسیم کر دیا جن میں ہر ایک باہم متناسب اور اسی طرح ہر ایک کل سے بھی متناسب ہے اور BD+DC=BC ہے

اس لیے:

$$\because \frac{AB}{BC} : \frac{BD}{AB} \quad \therefore AB^2 = BC.BD$$

$$\because \frac{AC}{BC} : \frac{DC}{AC} \quad \therefore AC^2 = BC.DC$$

$$\because AB^2 + AC^2 = BC.BD + BC.DC$$

$$\because \text{//} \quad \text{//} \quad = BC\,(BD+DC)$$

$$\because \text{//} \quad \text{//} \quad = BC^2$$

اور پھر چوں کہ مقالۂ دوم ہی کی چھٹی شکل میں یہ بھی ثابت ہے کہ ''کسی مقدار کے نصف پر اگر کچھ مقدار اور بڑھا دیا جائے تو نصف مع زائد کا مربع کل مع زائد اور زائد کے حاصل ضرب اور نصف کے مربع کے مجموعہ کے برابر ہوتا ہے'' مثلاً ہم نے ۱۰/ر کے دو نصف ۵، ۵ کیے اور پھر نصف پر ۳/ر زائد کیے تو نصف مع زائد یعنی ۸/ر کا مربع ۶۴/ر از رکل مع زائد یعنی ۱۳/ر اور زائد یعنی ۳/ر کا حاصلِ ضرب ۳۹/ر اور نصف یعنی ۵/ر کلو مربع ۲۵/ر کا مجموعہ بھی وہی ۶۴/ر ہی ہوگا۔ لہٰذا بناوٹ کے اعتبار سے خط ع ا یہ ہے، خط ہ ا نصف اور خط از زائد ہے۔ اور خط ہ ز نصف مع زائد ہے اور خط ح ز کل مع زائد ہے۔ اور چوں کہ خط از اور ز ع دونوں ایک ہی مربع کے اضلاع ہیں اس لیے ز ع بھی زائد کے برابر ہے۔ لہٰذا مقالۂ دوم کی چھٹی شکل کی رو سے خط ہ ز کا مربع خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کے برابر ہے اور محفوظ ثانی میں اسی خط ہ ز کا مربع۔ خط ح ز اور خط ز ع کے حاصلِ ضرب اور خط ہ ا کے مربع کے مجموعہ کے برابر ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ (خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کا مجموعہ) یقیناً (خط ز ا اور خط ز ع کے حاصلِ ضرب اور خط ہ ا کے مربع کے مجموعہ) کے برابر ہے۔ خط ہ ا کا مربع ان دونوں برابر مقداروں میں مشترک ہے اس لیے اگر دونوں مقداروں سے خط ہ ا کا مربع ساقط کر دیں تب بھی باقی ماندہ مقدار برابر ہی رہیں گے۔ لہٰذا خط اب کا مربع یقیناً خط ح ز اور خط ز ع کے حاصلِ ضرب کے برابر ہے۔ اب ذرا بنی ہوئی شکل کی طرف دھیان دیں کہ خط اب کے مربع اور خط ح ز اور خط ز ع سے حاصل شدہ سطح (یعنی حاصلِ ضرب) میں سطح اطک ح چوں کہ مشترک ہے اس لیے اس کو دونوں سے ساقط کرنے پر باقی یعنی از ع ط کا مربع اور ط ب اک کی سطح برابر ہو گئے۔ لہٰذا اب ثابت ہو گیا کہ خط اب نقطۂ ''ط'' پر ایسا منقسم ہو گیا کہ اط کا مربع اور خط ب ط و خط ب ء کا حاصلِ ضرب دونوں ہی باہم برابر ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ (۱) خط ہ ب اور ہ ز بہ اعتبارِ ساخت اور فرض برابر ہے۔ (۲) شکلِ عروسی سے خط ہ ب کا مربع خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہے اس لیے خط ہ ز کا مربع بھی خط اب اور خط ہ ا کے مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہے۔ (۳) مقالۂ دوم کی چھٹی شکل سے اسی خط ہ ز کا مربع خط ح ز خط ز ع کی سطح اور خط ا ہ کا مربع ساقط کرنے پر باقی خط اب کا مربع اور خط ح ا × خط ز ع کی سطح بھی برابر ہے، اور بہ اعتبار ملاحظہ شکل ان دونوں باقی ماندہ مربع اور سطح سے اگر ان میں مشترک حصہ سطح اطک ح ساقط کر دیا جائے تو باقی خط اط کا مربع اور خط ط ب × ب ء کی سطح بھی برابر ہے۔ یہی دعویٰ تھا جو ثابت ہو گیا۔

اس پر امام احمد رضا نے یوں جرح فرمائی کہ ہم نے خط اب کو ''ہ'' اور اس کے نقطۂ ''ط'' پر منقسم ہو جانے پر قسم اکبر کو ''ء'' رض کیا تو قسم اصغر لامحالہ (لا۔ء) ہوئی۔ ماسبق میں علمِ ہندسہ سے ثابت شدہ امر کے پیش نظر مساوات یوں ہوگی۔ ء۔ (لا۔ء) لا یعنی ء = (لا۔لا ء) بجز و مقابلہ مساوات یوں ہو جائے ی ء+ لا ء = لا اس لیے تکمیل مجذور میں صورت یوں ہو جائے گی (ء+ لا ء + لا/۴) یعنی ۵ لا/۴ اور یہ مربع کامل ہے کہ مربع کامل کے برابر ہے۔ اور اقلیدس کے مقالہ ۹/ر کی شکل اول سے ثابت ہے کہ مربع کو مربع میں ضرب دینے یا مربع پر تقسیم کرنے سے بھی مربع کامل حاصل ہوتا ہے تو ۴/ر لا نیز اسی شکل نے ثبوت دیا ہے کہ مربع کامل کو جس میں ضرب دیے یا جس پر تقسیم کرنے سے مربع کامل حاصل ہو وہ مضروب فیہ یا مقسوم علیہ بھی مربع کامل ہوتا ہے۔ یہاں لا/۴ کو ۵/ر میں ضرب دینے سے مربع کامل حاصل ہوا۔ تو واجب ہے ۵/ر بھی مربع کامل ہوا اور یہ بدیہی البطلان ہے۔

بوجہ دیگر قسم اصغر کو ''ء'' فرض کیجیے تو اکبر لا۔ ء ہے اور مساوات یہ ہوگی لا ء = (لا۔ء)= (لا۔لا ء+ ء) بجز و مقابلہ (لا۔لا ء+ ء)= صغر بلکہ لا۔ لا ء= بہ تکمیل مجذور (لا۔ لا ء+ ء/۴) = (ء/۴۔ ء)= ء۳/۴ یہاں دو استحالے ہوئے ایک تو بدستور تین کا مجذور کامل ہونا۔ دوسرے منفی کا مجذور ہونا، حالاں کہ کوئی منفی مجذور نہیں ہو سکتا کہ اس کا جذر مثبت ہو یا منفی بہر حال اس کے نفس میں حاصلِ ضرب آئے گا کہ اثبات کا اثبات یا اثبات کی منفی نفی ہے۔ مگر مجذور میں اس کا امکان نہیں کہ مضروبین میں تبدل منفی و اثبات سے شئ کی ضرب اس کے نفس میں نہ ہوئی۔

امام احمد رضا آخر میں فرماتے ہیں ''ولہ جواب ترکناہ للاختبار '' لیکن آج تک یہ جواب پردۂ خفا میں ہے۔ اے کاش کوئی خواب سے اس پردہ کو ہٹاتا۔

☆☆☆

سائنس، ایمانیات اور امام احمد رضا

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

کراچی یونی ورسٹی کراچی؛ جنرل سکریٹری ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی

امام احمد رضا خاں محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہٗ کی شخصیت آیت ذیل کی تفسیر اور مظہر تھی:

ترجمہ: ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔ جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔ اے رب ہمارے تو نے یہ بے کار نہ بنایا۔ پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔'' (سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۹۰۔۱۹۱، ترجمہ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے ساری زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد اور عبادت کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر وفکر ان چاروں طریقوں سے کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی ۱۹۱رویں آیت کریمہ میں بیان کیا ہے۔ یہ چار طریقے مندرجہ ذیل ہیں۔

آپ نماز کی ادائیگی کے وقت اپنے رب کا ذکر کھڑے ہو کر کرتے۔

آپ جب دارالافتا میں قیام فرماتے تو اس وقت تمام فتاویٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرماتے اور بغیر تدبر وفکر کے فتویٰ نویسی ممکن نہیں اور یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ فتویٰ نویسی کے وقت آپ کسی کتاب کو کھول کر نہیں دیکھتے تھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذہن میں تمام کتب کے متن کو محفوظ فرما دیا تھا۔

جب آپ روزانہ صرف دو گھنٹے آرام اور سونے کی خاطر اپنے بستر پر لیٹتے تو اس وقت بھی آیات قرآنی کا ورد اور درود شریف کا ورد کرتے ہوئے سونے کی کوشش کرتے۔ بستر پر آپ داہنی کروٹ لیٹتے، دایاں ہاتھ رُخسار کے نیچے عین سُنّت کے مطابق رکھتے اور بقیہ جسم کو اس طرح سمیٹتے کہ دور سے یا اوپر سے دیکھنے والے کو اسم ''محمد'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عکس محسوس ہوتا گویا وہ جاگتے، سوتے اپنے خالق ومالک کی عبادت اور ذکر میں ہمہ وقت مشغول رہتے۔

آپ کا قلم جب فتویٰ نویسی سے فارغ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جو غور وفکر کے باعث سامنے

آتیں اور قلب پر اس کی تجلیات محسوس ہوتیں ان کو قلم بند کر لیتے، یعنی غور وفکر کے بعد قانونِ فطرت اور کرشمۂ قدرت کو مختلف علوم اور فنون کے عنوانات کے تحت عربی، فارسی اور اردو زبان کے مقالات اور تصنیفات کی شکل میں محفوظ فرما لیتے۔

الغرض! آپ کے اس چوتھے طریقۂ عبادت اور وظیفۂ ذکر وفکر کے باعث کثیر سائنسی تصنیفات منصۂ شہود پر آئیں، ان ہی میں علم صوتیات سے متعلق بھی ایک معرکۃ الآرا تصنیف ''الکشف شافیا حکم فونو جرافیا'' بھی ہے جو ۱۳۲۸ھ/۱۹۰۹ء میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمائی۔ اس تصنیف میں فقہی جزئیات کے علاوہ علم صوتیات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

حیران کن امر یہ ہے کہ آج سے ایک صدی قبل یہ مسلمان سائنس داں بریلی شریف کی سرزمین پر فتاویٰ نویسی کے علاوہ وہ سب کچھ جانتا تھا جو کسی زمانے کا ایک ماہر علم صوتیات جان سکتا ہے۔ یہ فقیہ اسلام صرف علوم دینی ہی نہ جانتا تھا بلکہ دیگر تمام سائنسی علوم کی طرح وہ علم صوتیات کے علم سے بھی مکمل باخبر تھا اور اس پر مکمل دست رس رکھتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ آواز کی لہریں کیا ہوتی ہیں؟ یہ آواز کی لہریں ہمیں کیوں کر سنائی دیتی ہیں؟ یہ کچھ دور جا کر کیوں ختم ہو جاتی ہیں؟ یہ تیز ہوا میں کیوں کر تیز چلتی ہیں؟ کیوں، کب اور کیسے ان آواز کی لہروں کی رفتار کم ہو جاتی ہے؟ ان لہروں کو کون سے عناصر دور تک لے جاتے ہیں، یعنی آواز دور تک کیسے پہنچتی ہے؟ فضا میں لہریں کیوں کر محفوظ ہو جاتی ہیں اور ان کو کس طرح ریکارڈ کیا جاتا ہے؟ ساتھ ہی فضا میں ان لہروں میں محفوظ الفاظ سے متعلق احادیث کی روشنی میں ایک نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اچھے الفاظ کی لہریں قیامت تک اس شخص کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتی رہیں گی، چناں چہ آپ رقم طراز ہیں:

''واقع میں تمام الفاظ جملہ اصوات بجائے خود محفوظ ہیں۔ وہ بھی اسم مخلوقہ سے ایک امت ہیں کہ اپنے رب جل وعلا کی تسبیح کرتے ہیں، کلمات ایمان تسبیح رحمان کے ساتھ اپنے قائل کے لیے استغفار بھی کرتے ہیں اور کلماتِ کفر تسبیح الٰہی کے ساتھ اپنے قائل پر لعنت، **کما صرح بہ امام اھل الحقائق سیدی الشیخ الاکبر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ و الشیخ العارف باللّٰہ تعالیٰ سیدی الامام عبدالوھاب الشعرانی قدس سرہ' الربانی**''. (فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، حصہ دوم، ص۱۴، مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ النحل کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا بھی جامع بنایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ''تو اے لوگو! علم والو سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں۔''

(سورۃ النمل: آیت ۴۳، کنزالایمان)

قرآن کریم کے حروف کے حافظ کو حافظ القرآن کہا جاتا ہے جو کہ ہر زمانے میں لاکھوں کی تعداد میں دنیا میں رہیں گے۔ قرآنی حروف اور الفاظ کی حقانیت، معنویت اور مقصدیت جاننے والے کو قرآن نے ''اھل الذکر'' قرار دیا ہے۔ ان اھل الذکر کی بہت ساری اقسام بیان کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً:

پہلی قسم: وہ لوگ یا حضرات جو ایک مخصوص شعبۂ علم کے کچھ حصے کو جانتے ہیں، اس کے علاوہ دیگر علوم کو نہیں جانتے۔ مثلاً ایک نیورو سرجن دماغ کے علاوہ کسی اور اعضا کا آپریشن نہیں کرسکتا اور دینی علوم سے نابلد ہوتا ہے۔

دوسری قسم: بعض حضرات ایک مخصوص علم پر بھرپور دست رس رکھتے ہیں مگر دیگر علوم کو وہ سرسری جانتے ہیں۔ مثلاً علم کیمیا کا ماہر ہے مگر بایولوجیکل سائنس وہ نہیں جانتا اور علوم دینی سے بالکل غافل۔

تیسری قسم: چند مختلف علوم میں اچھی دست رس رکھتے ہیں۔

چوتھی قسم: دینی علوم سے بعض میں دست رس ہوتی ہے اور دنیاوی علوم سے بالکل ناواقفیت۔

پانچویں قسم: اکثر دینی علوم پر دست رس مگر دنیاوی علوم سے زیادہ تر ناواقفیت۔

چھٹی قسم: اکثر دینی علوم پر دست رس اور چند دنیاوی علوم سے بھی اچھی آگاہی۔

اس طرح کئی اقسام کی جاسکتی ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق ''**اھل الذکر**'' میں شمار کیا جاسکتا ہے اور لوگ اپنی حاجت روائی کے لیے مخصوص لوگوں کے پاس جاکر اپنے مسائل کا حل حاصل کرسکتے ہیں، مگر ایسے اشخاص دنیا میں کم ملتے ہیں جو اس آیت کریمہ کی مکمل اور جامع تفسیر بن جائیں۔ ایسی خصوصیات بے شک ہر زمانے میں انبیاے کرام علیہم السلام کو حاصل رہیں کہ ہر نبی اپنے زمانے اور وقت میں اھل الذکر ہوتا کہ اس زمانے کے لوگ جس قسم کی معلومات چاہتے وہ نبی ان کو اللہ کی دی ہوئی توفیق اور عطا سے اس کو دیتا۔ ہر زمانے میں نبی کو امتیوں کے مقابلے میں مکمل علم اور اس زمانے کے تمام علوم کا حامل بنایا گیا۔

ہمارے پیارے نبی الانبیا علیہ السلام کو کل کائنات کا علم اس لیے عطا ہوا کہ آپ کُل کائنات کے نبی تھے اور ہیں لہٰذا جس نے جو سوال کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا کامل جواب عطا فرمایا۔ ان علوم کی تصدیق قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت ربانی سے ہوتی ہے:

ترجمہ: ''اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔''

(سورۃ النسا: آیت ۱۱۳)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت قیامت تک کے لیے ہے۔ اگرچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہری طور پر پردہ فرما کر دوسرے عالم یا عالم برزخ کو رونق بخش رہے ہیں اس لیے دنیا میں قیامت تک علماے ربانیین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری نمائندہ خاص اور آپ کے نائب کی حیثیت سے ''اھل الذکر'' کے منصب کو پورا کرتے رہیں گے جو درحقیقت آپ کے ہی فیض و کرم سے اس منصب پر فائز ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر زمانے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائبین کو جن کو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے مثل انبیا قرار دیا ہے۔ اپنے اپنے زمانے کے تمام علوم وفنون میں یکتاے روزگار بناتا ہے، تاکہ جب کوئی امتی کسی بھی علم وفن پر ان سے سوال کرے تو وہ اس سوال کا اطمینان بخش جواب دیں ورنہ قرآن کریم کی تعلیمات پر حرف آئے گا کہ یہ قرآن فلاں علم کی تعلیم نہیں دیتا یا یہ قرآن فلاں علم کی طرف رہنمائی نہیں کرتا جب کہ اسی قرآن کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمھاری طرف اتاری برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقل مند نصیحت مانیں۔'' (سورۃ ص: آیت ۲۹)

دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے:

ترجمہ: ''بے شک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو۔'' (سورۃ الرعد: آیت ۳)

ایسی عبقری شخصیت، نائب رسول اور ''فسئلوا اھل الذکر'' کی جامع تفسیر امام احمد رضا محدث بریلوی کی شکل میں ملتی ہے جنھوں نے مسلسل ۵۵ر سال اس زمانے کے تمام ہی تمام علوم وفنون کے سوالات کے جوابات اس علم کی اصطلاحات کے ساتھ اور بھرپور دلائل کے ساتھ دیے۔

اسلام کے ۱۴ر سو طویل دورانیہ میں امام احمد رضا جیسے مسلم مدبر و مفکر ہر زمانے میں موجود رہے ہیں، جنھوں نے ہمیشہ قرآن اور احادیث کی تعلیمات کی روشنی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے شمار نشانیوں سے لوگوں کو آگاہ رکھا اور ان اہلِ اسلام کے فرزندوں نے اسی قرآن وحدیث نبوی میں غور وفکر کرتے ہوئے ہر زمانے میں لوگوں کی رہنمائی کی ہے۔ امام احمد رضا پچھلی صدیوں کے ایک ایسے ہی نام ور مفکر و مدبر ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ علم نافع کے جوہر دکھائے اور ہر علم وفن میں مستند تحریریں قلم بند فرمائی ہیں، جس کی مثال برصغیر پاک وہند میں ناپید ہے، برصغیر میں علوم دینیہ کے بے شمار علما ہر زمانے میں موجود رہے، مگر اکثریت علوم دنیاوی میں دست رس نہ رکھتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کو دونوں علوم پر کامل دست رس دی تھی۔

راقم یہاں نہ تو امام احمد رضا کے ۷۰ر سے زائد علوم وفنون کی فہرست پیش کر رہا ہے اور نہ ہی ان کی سینکڑوں کتابوں اور رسائل کی فہرست قلم بند کر رہا ہے کہ پڑھنے والے کو یہ گمان ہونے لگے کہ لکھنے والا تعریف وتوصیف میں بہت زیادہ غلو سے کام لے رہا ہے۔

لیکن راقم مطالعہ سے شوق رکھنے والوں کو اس بات کی دعوتِ فکر ضرور دے رہا ہے کہ وہ امام احمد رضا کے ''فتاویٰ رضویہ'' جو ۱۲ر مجلدات پر مشتمل ہے اور مع ترجمہ وتخریج ۳۰ر جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، اس کی کسی ایک ہی جلد کا مطالعہ کریں تو قاری کو راقم کے دعوے کی صداقت کا اعتراف ہو جائے گا۔

احقر یقین سے یہ بات کہہ رہا ہے کہ مطالعہ کرنے والا فتاویٰ رضویہ کی ہر جلد میں ان گنت علوم کی فہرست مرتب کرتا چلا جائے گا اور پھر خود اس حقیقت تک پہنچ جائے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام احمد رضا کو دینی علوم پر دسترس کے ساتھ ساتھ تمام دنیاوی علوم وفنون پر بھی کامل دسترس عطا کی تھی۔

مسلمان سائنس دانوں کی فہرست بہت لمبی ہے لیکن امام احمد رضا خاں محدث بریلوی ایک منفرد سائنس داں ہیں۔ وہ جب بھی کسی دنیاوی یا سائنسی علوم پر بحث کرتے ہیں تو اس بحث کے شروع یا آخر میں یا جہاں مناسب سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان اور یقین کا اظہار بھی ضرور کرتے ہیں اور وہ قاری کو اس بات کی طرف ضرور توجہ دلاتے ہیں کہ نظامِ فطرت (سائنسی قانون) ایک طرف اور اللہ کی قدرت ایک طرف اور وہ ہی مقدم کہ وہ خالقِ کل اور مالکِ حقیقی ہے۔

اگرچہ کائنات کا سارا سسٹم ایک فطرت کے تحت رواں دواں ہے، اور عموماً اپنی فطرت کے مطابق چلتا بھی رہے گا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہر آن اس سسٹم پر فوقیت رکھتی ہے اور ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کی قدرت پر ایمان ضرور رکھے۔ یہاں مختصراً امام احمد رضا کی دنیاوی علوم پر ایک بحث کا حصہ ملاحظہ کیجیے جس میں ایک طرف قانونِ فطرت بتا رہے ہیں تو دوسری طرف اللہ کی قدرت کی فوقیت کو ظاہر کر رہے ہیں اور یقیناً ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا بھی یہی ہونا چاہیے۔

امام احمد رضا 'فتاویٰ رضویہ' جلد اول میں ایک مقام پر پانی کی رنگت پر بحث کرتے ہوئے آبی بخارات (Water Vapors) کے اجزا کے متعلق بتاتے ہیں کہ یہ اجزا کیوں کر بادلوں (Clouds) کی صورت میں نظر آتے ہیں اور برف کے اجزا اگرچہ پانی کے اجزا سے باریک ہیں مگر کیوں کر برف اوپر سے نیچے گرتی ہے؟ بحث ملاحظہ کیجیے: ''شرح مواقف'' میں علوم بالحس کی بحث میں موجود ہے کہ برف شفاف اجزا (Transparent Particles) کا مرکب ہے۔ اس کا کوئی رنگ نہیں بلکہ وہ پانی کے باریک اجزا (Fine Particles) ہیں۔

پانی کے رنگ کی نفی میں یہ عبارت ظاہر ہے۔ اگر تو کہے تو ہو سکتا ہے کہ اجزا کے باریک ہونے کی وجہ سے رنگ ظاہر نہ ہوتا ہو (اقول) میں کہتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں، کیوں کہ آپ دیکھتے ہیں کہ بادل کے بخارات میں رنگ ظاہر ہوتا ہے اور یہ رنگ پانی کے اجزا کا رنگ ہے، حالاں کہ یہ اجزا برف کے اجزا سے بھی زیادہ باریک ہیں، یہی وجہ ہے کہ برف اوپر سے گرتی ہے اور بخارات اوپر کو اٹھتے ہیں اور باریک ذرہ اگر علیٰحدہ ہو تو وہ نظر نہیں آتا تو اس کا رنگ کیسے نظر آئے گا اور چھوٹے اجزا جب جمع ہوں تو نظر آتے ہیں تو ان کا رنگ بھی نظر آئے گا۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد اول، صفحہ ۵۴۷، مطبوعہ کراچی)

آگے چل کر مزید تفصیل میں جاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر تو کہے کہ جسم کیسے دکھائی دیتا ہے جب کہ اجزا تو نظر نہیں آتے تو اولاً میں کہتا ہوں کہ نگاہِ انسانی فطری طور پر انتہائی باریک چیز کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے جب کہ وہ چیز منفرد (Single Particle) ہو لیکن اگر اس چیز کے ساتھ اس کی متعدد امثال مجتمع ہوں تو وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ جیسے سفید بیل کی جلد ہر سوئی کے سر کے برابر سیاہ نقطہ (Fine Black Spot) دکھائی نہیں دیتا لیکن اگر متعدد سیاہ نقطے مجتمع ہوں تو نظر آنے لگتا ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ، جدید ایڈیشن، جلد دوم، صفحہ ۱۷۳، مطبوعہ لاہور)

اس انتہائی تفصیلی بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں قدرتِ خداوندی پر اپنے ایمان وایقان کا اظہار فرماتے ہیں:

''دلیل فلاسفہ کے مذہب کے مطابق اگر مان لیں فبہا ورنہ ہماری دلیل ایمان یہ ہے کہ نگاہیں اور تمام چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارادے کے تابع ہیں اگر وہ چاہے تو ایک اندھا تاریک رات میں سیاہ چیونٹی کی آنکھ کو دیکھ سکتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو دن کی روشنی میں فلک بوس پہاڑ سے نیلگوں آسمان کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ چوں کہ اس نے چاہا کہ اجزا انفرادی طور پر نظر نہ آئیں اور جب مجتمع ہوں تو نظر آنے لگیں لہٰذا جیسا اس نے چاہا ویسا ہی واقعہ ہوا۔''

(فتاویٰ رضویہ، جدید ایڈیشن، جلد دوم، صفحہ ۱۷۵، مطبوعہ لاہور)

امام احمد رضا کی علم صوتیات پر دسترس کا ڈیرہ غازی خاں کے اسکالر اور رضا اسلامک سینٹر کے ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد مالک نے تفصیل سے جائزہ لیا اور ایک کتاب 'امام احمد رضا اور علم صوتیات' کے نام سے ترتیب دی ہے۔ (یہ کتاب رضا اکیڈمی ممبئی وادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔)

اس کتاب میں آپ نے جدید ٹیلی کمیونی کیشن سسٹم کو امام احمد رضا کے بتائے ہوئے قوانین

سے تقابل کیا ہے اور ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں امام احمد رضا کی علم صوتیات پر مکمل گرفت ثابت کی ہے۔

مثلاً امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایک صدی قبل ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۰۹ء میں اپنے رسالے ''الکشف شافیه حکم فونو جرافیا'' میں اپنے مشاہدات کی بنا پر فکر انگیز تحقیق پیش کی۔

''عالم اسباب میں حدوثِ آواز کا سبب عادی یا قرع **(Strikes/Collides)** وقلع **(Seprate)** ہے اور اس کے سننے کا وہ تموج کو تجدد **(Renwed undualation)** وقرع تا ہوائے جوف (کان) سمع ہے۔

متحرکِ اوّل کے قرع سے ملاء مجاور میں جو شکل و کیفیت مخصوصہ بنی تھی، کہ شکل حرفی ہوئی تو وہی الفاظ وکلمات تھے ورنہ اور قسم کی آواز کے ساتھ قرع نے بوجہ لطافت اس مجاور کو جنبش (حرکت) بھی دی اس کی جنبش نے اپنے متصل **(Next)** کو قرع کیا اور وہی پٹھا **(Harmonic Motion Ware)** کہ اس میں بنا تھا اس میں اتر گیا یوں ہی وہی آواز کی کاپیاں ہوتی چلی گئیں اگرچہ جتنا فصل **(Distance)** بڑھتا اور وسائط زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ تموج **(Wave undualation)** وقرع **(Next Strike)** میں ضعف آتا جاتا ہے اور ٹھپکا ہلکا پڑتا ہے، لہٰذا دور کی آواز کم سنائی دیتی ہے اور حروف سمجھ نہیں آتے یہاں تک کہ ایک حد **(Limit)** پر تموج **(Wave)** ختم ہو جاتی ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، حصہ دوم، ص ۱۳، مطبوعہ کراچی)

جناب ڈاکٹر مالک رقم طراز ہیں کہ: ایشیائی مسلمان سائنس داں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۰ ربرس قبل اپنے تجربات ومشاہدات کی بنا پہ فکر انگیز تحقیق پیش کر کے عالمِ اسلام میں (بحیثیت مسلم سائنس داں) سبقت حاصل کرلی اور یہ تحقیق آج کل **D.H.M. (Damped Harmonic Motion)** کہلاتی ہے۔ مذکورہ بالا فکر انگیز تحقیق کی تشریح انگریزی زبان میں یوں کی جاسکتی ہے۔

"Sound waves travel in the medium in a fashion that a sound source procuce sound. The energy is taken by a molecule to molecule and it exhibits simple Harmonic Motion. These Molecules strike/ collids with other molecules. The second molecule now collides

with 3rd molecule or this process of collision carries on. Finally the molecule receives the energy released by the sourse of sound and transmits this energy to the sound detector which may be human ear. In case of damped hormonic motion, actually the amplitude of the ascillation gradually decreases to zero, with the passage of thime, as a result of friction force. this motion is said to be damped motion by friction and is called damped Hormonic Motion."

(امام احمد رضا اور علم صوتیات، ص ۳۴، مطبوعہ: کراچی)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز علم کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے اتنے مخلص تھے کہ سائل سوال اگر تفصیل سے نہیں بھی کرتا یا سائل کے سوال میں اس علم کی تحقیق مدِنظر نہ بھی ہوتی مگر امام احمد رضا اس سائل کے جواب میں آنے والے زمانے کے تشنہ لوگوں کی پیاس کا بندوبست فرمادیتے ہیں، اور یہ بھی ثابت کر دیتے ہیں کہ کسی بھی سوال کا جواب سو فی صد اس وقت ہی صحیح ہو سکتا ہے جب اس علم کو مفتی جانتا ہو۔ اگر مفتی اس علم کی گہرائی اور گیرائی سے واقف نہیں تو وہ سرسری جواب تو دے سکتا ہے مگر غلطی کا احتمال رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کو ہر علم کی فہم عطا کی تھی لہٰذا اللہ کی اس عطا کا وہ بارہا مظاہرہ قلم کے ذریعے فرماتے ہیں۔

مثلاً اب اگر مفتیانِ کرام سے یہ سوال کیا جائے کہ تیمّم کے لیے کیا شرائط ہیں تو سب کا متفقہ جواب ہوگا کہ پتھر، مٹی، خاک۔ پھر وہ پتھروں کو گنوادیں گے کہ یہ پتھر ہے ان پتھروں سے تیمّم ممکن ہے اور جو پتھر نہیں ان سے تیمّم بھی نہیں ہے اور جب ایسا کوئی مسئلہ سامنے آیا کہ کوئی شے پتھر ہے یا نہیں تو عمومی فیصلہ یہ دیا جائے گا کہ اگر وہ نسل پتھر سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے تیمّم جائز ہے ورنہ نہیں۔ مگر یہ جواب کوئی بھی نہ دے گا کہ وہ پتھر کیوں ہے اور کیوں نہیں۔ ہاں وہی مفتی جواب دے سکے گا جس کو پتھر بننے کے تمام عمل معلوم ہوں گے۔

امام احمد رضا ان ہی مفتیوں میں شامل ہیں جو پتھر کے بننے کے عمل سے بھی واقف ہیں چناں چہ مرجان یا مونگا جسے **Coral** بھی کہا جاتا ہے، امام احمد رضا نے طویل تحقیق کے بعد اس کو چٹان

میں شامل کیا ہے۔ وہ اپنے رسالہ ''**المطر السعید علی بنت جنس الصعید**'' میں ایک جگہ مخشی رملی کے جواز کا موقف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مرجان مونگا دوسرے پتھروں کی طرح ایک پتھر ہے جو سمندر میں درختوں کی طرح بڑھتا ہے اس لیے عامۂ کتب میں جواز پر جزم ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ، جدید ایڈیشن، جلد ۳، ص ۶۸۶، مطبوعہ لاہور)

آگے مزید اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقول: اصحابِ احجار (ماہرِ حجریات) نے اس کے حجر (پتھر) ہونے کی تصریح کی اور اسے حجر شجری (Treelikestone) کہا نہ کہ شجر حجر (Stone Like Tree)۔'' (ایضاً)

آگے چل کر جامع ابن بیطار کے حوالے سے ارسطو کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بسند (شاخ دار مونگا) اور مرجان (بغیر شاخ کا مونگا) ایک ہی مرجان کو کہتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ مرجان اصل ہے اور بسند فرع۔ مرجان میں **تخلخل** (Rings) اور سوراخ (Cavity) ہوتے ہیں اور بسند درخت کی ڈالیوں کی طرح پھیلتا اور بڑھتا ہے اور ڈالیوں کی طرح اس میں شاخیں بھی نکلتی ہیں۔'' (ایضاً)

امام احمد رضا مرجان کو پتھر کی قسم ہی سمجھتے ہیں اور اس کو سمندری چٹان کا حصہ قرار دیتے ہوئے جنسِ زمین قرار دیتے ہیں اور تیمّم کو اس سے جائز سمجھتے ہیں، چناں چہ آپ کا حکمِ شرعی ہے: ''لاجرم اس سے جوازِ تیمّم میں شک نہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، ص ۶۸۸، مطبوعہ لاہور)

اسی طرح جب ایک سائل نے ریاست رام پور محلّہ چاہ شور سے ۱۲/ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ میں سوال کیا کہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ: ''فونوگراف سے قرآن مجید سننا اور اس میں قرآن شریف کا بھرنا اور اس کام کی نوکری کرکے یا اجرت لے کر یا ویسے ہی اپنی تلاوت کا اس میں بھروانا جائز ہے یا نہیں اور اشعارِ حمد و نعت کے بارے میں کیا حکم ہے اور عورت کے ناچ گانے یا مزامیر کی آواز اس سے سننا بھی ایسا ہی حرام ہے جس طرح اس سے باہر سننا یا کیا۔ بینوا توجروا!''

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۰، حصہ دوم، ص ۱۱، مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا ایک مفتی کی حیثیت سے اس کا چار لائنوں میں بھی جواز یا عدم جواز کا فتویٰ دے دیتے لیکن آپ نے علم صوتیات کے ماہر کی حیثیت سے اس بات کا جائزہ لیا کہ آواز کی حقیقت کیا ہے اور یہ کس طرح فضا میں سفر کرتی ہے اور کانوں تک پہنچتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چناں چہ اس کا جواب رسالہ کی

صورت میں دیا اس جواب کا خلاصہ ملاحظہ کیجیے:

''یہاں ہمیں دو باتیں بیان کرنی ہیں ایک یہ کہ فونوگراف (Gramophone) سے جو آواز آتی ہے وہ بعینہٖ (Same) اس آواز کنندہ کی ہوتی ہے جس کی صوت (آواز) اس میں بھری ہے۔ قاری ہو، خواہ متکلم، خواہ آلۂ طرب وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ بذریعہ تلاوت جو اس میں ودیعت ہوا پھر بہ تحریکِ آلہ (Instrument) جو اس سے ادا ہوگا سنایا جائے گا۔ حقیقتاً قرآنِ عظیم ہی ہے۔ اب ہم ان دعوؤں کو دو مقدموں میں روشن کریں گے۔ وباللہ التوفیق۔''

مقدمۂ اولیٰ کا بیان ان امور کی تحقیق چاہتا ہے:

(۱) آواز کیا چیز ہے؟ (۲) کیوں کر پیدا ہوتی ہے؟ (۳) کیوں کر سننے میں آتی ہے؟ (۴) اپنے ذریعہ حدوث کے بعد بھی باقی رہتی ہے یا اس کے ختم ہوتے ہی فنا ہوجاتی ہے؟ (۵) کان سے باہر بھی موجود ہے یا کان ہی میں پیدا ہوتی ہے؟ (۶) آواز کنندہ کی طرف اس کی اضافت کیسی ہے وہ اس کی صفت ہے یا کسی چیز کی؟ (۷) اس کی موت کے بعد باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟''

(فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، حصہ دوم، ص ۱۱)

مقدمۂ اولیٰ پر مندرجہ بالا عنوانات کے تحت اپنے طویل سائنٹفک دلائل کے بعد آخر میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ ملاحظہ کیجیے:

''بالجملہ شک نہیں طبلہ، سارنگی، ڈھولک، ستار یا ناچ یا عورت کا گانا یا فحش گیت وغیرہ وغیرہ جن آوازوں کا فونو سے باہر سننا حرام ہے بلاشبہہ ان کا فونو سے سننا بھی حرام ہے نہ یہ کہ اسے محض تصویر و حکایت قرار دے کر حکم اصل سے جدا کردیجیے۔ یہ محض باطل و بے معنی ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، حصہ دوم، ص ۱۸)

امام احمد رضا نے علمِ صوتیات کی روشنی میں کس طرح خود قائم کردہ سات سوالوں کا جواب دیا ہے اس کے لیے امام احمد رضا کا رسالہ ''الکشف شافیہ'' ضرور ملاحظہ کیجیے اور امام احمد رضا کے اس رسالے کو سمجھنے کے لیے ڈاکٹر محمد مالک کی کتاب ''امام احمد رضا اور علم صوتیات'' کا مطالعہ امام احمد رضا کے رسالے کو اور آسان کردے گا کیوں کہ ڈاکٹر صاحب نے تمام عربی مصطلحات کا انگریزی ترجمہ کردیا ہے اس لیے دورِ حاضر کے سائنس داں بھی بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

رسالہ درعلم لوگارثم کے چند حواشی

پروفیسر محمد ابرار حسین (اسلام آباد)

امام احمد رضا کو کم وبیش پچپن (۵۵) علوم پر دست رس حاصل تھی۔ ان میں سے تقریباً ۳۴ر علوم وفنون انھوں نے ذاتی مطالعے سے حاصل کیے۔ علومِ ریاضی میں ان کی حیثیت مسلّم ہے۔ مولانا ظفرالدین بہاری کی مرتب کردہ فہرست تصانیف اعلیٰ حضرت میں بہتر (۷۲) کا تعلق علم ریاضی سے ہے، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

زیجات	۷
جبر ومقابلہ	۴
علم مثلث، ارثماطیقی، لوگارثم	۸
توقیت، نجوم، حساب	۲۲
ہیئت، ہندسہ، ریاضی	۳۱

یہ تصانیف کتب، رسائل، مقالات اور حواشی پر مشتمل ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ علم کا یہ بے پناہ ذخیرہ ابھی تک طباعت کا منتظر ہے۔ ریاضی اور سائنس کے بیش تر طلبا چیمبرز (Chambers) کے ریاضیاتی جداول سے شناسا ہیں۔ ۴ر اعشاریہ، ۵ر اعشاریہ، ۷ر اعشاریہ کے جداول عام دست یاب ہیں۔ ۱۸۷۸ء میں ''چیمبرز تعلیمی نصاب'' کے سلسلے میں بڑے جامع جداول شائع کیے گئے جن کا سرِ ورق کچھ اس طرح ہے:

"Mathematical Tables consisting of logarithms of number 1 to 108000

Trigonometrical Nautical and other tables

Edited by: Janes Pryde F.E.I.S.

W.R. Chambers Ltd.

London and Edinburgh 1878"

۱۸۹۴ء میں اس کا نیا ایڈیشن شائع ہوا، جو پنجاب یونی ورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

۱۹۳۰ء میں اس کی نظر ثانی Walter F. Robinson نے کی اور ادارت Archibald Milne نے کی۔ جداول کے شروع میں ان کی تشریحات تحریر کی گئی ہیں اور ''رسالہ درعلم لوگارثم'' ان ہی تشریحات کا اردو ترجمہ ہے۔ ۱۸۹۴ء ایڈیشن میں ۶۸ جداول ۴۵۴ر صفحات پر دیے گئے ہیں اور تشریحات کے ۴۲ر صفحات ہیں۔ ترجمے میں ۶۴ر جداول کی تشریحات ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ اولین ایڈیشن کا ہے۔ ۱۹۳۰ء کے ایڈیشن میں تشریحات میں کہیں کہیں اضافہ کیا گیا ہے۔

صاحبِ ترجمہ کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے بغور اس کا دو تین مرتبہ مطالعہ کیا اور جگہ جگہ حواشی میں اپنے تاثرات درج فرمائے۔ ان حواشی میں مزید تشریحات کی گئی ہیں۔ متبادل مگر سہل طریقوں کو بتایا گیا ہے اور کچھ اغلاط کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔

ان حواشی سے پتا چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو لوگارثم، علم مثلث اور متعلقہ علوم پر زبردست مہارت حاصل تھی۔ اس میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اعلیٰ حضرت نے کسی کالج یا یونی ورسٹی میں مغربی کتب سے علومِ ریاضی کا اکتساب نہیں کیا، لیکن وہ جدید اور قدیم ریاضی سے بہ خوبی واقف تھے۔ لوگارثم کی ایجاد یوں تو سولھویں صدی میں ہوئی، لیکن اس کا استعمال کم از کم اس خطۂ زمین پر بہت محدود تھا۔ پہلی مرتبہ کالج میں جا کر ہی لوگارثم کا پتا چلتا تھا۔ ان چند سالوں سے اسے اسکول کے نصاب میں شامل کرنے کا تجربہ کیا گیا ہے۔ لوگارثم کا مقام اس زمانے میں وہی تھا جو آج کیلکو لیٹر کا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے لوگارثم کا استعمال ہر اس جگہ کیا ہے جہاں ضروری سمجھا۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول، صفحات ۳۲۱ر تا ۳۰۰ر باب المیاہ میں آپ کا مشہور مسمّٰی بہ ''الھنی النمیر فی الماء المستدیر'' درج ہے۔ یہ آپ نے ۱۳۲۴ھ میں دیا۔ اس میں آپ نے لوگارثم استعمال کیے ہیں۔

زیرِ نظر حواشی ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں لکھے گئے۔ صفحہ ۲۳ر پر آپ نے اپنے دستخط ثبت فرمائے اور تاریخ ۲۶ر شوال ۲۵ھ بھی درج فرمائی۔ ان حواشی سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آپ نے لوگارثم پر ایک کتاب بھی تحریر فرمائی ہے۔ صفحہ ۱۹ر کے حاشیہ پر رقم طراز ہیں: ''اس کا بیان ہم نے لوگارثم کی کتاب سوم صفحہ ۵۶ و ۵۷ر پر لکھا ہے۔'' تمام حواشی کے بارے میں تبصرہ اس لیے ممکن نہیں کہ عام قاری کے لیے ریاضیاتی تفاصیل بھی باعث ثقل ہوں گی۔ اس لیے ہم صرف ان حواشی کو لیں گے جو صفحات ۱۹ر تا ۲۳ر چھوٹی قوموں کے قاعدے پر دیے گئے ہیں، صفحہ ۱۹ر پر تین بڑے حواشی درج ہیں پہلے میں آپ نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ چھوٹے قوسوں کے لیے علیحدہ قواعد کی کیوں ضرورت ہے۔ آپ نے یہ وضاحت بھی کردی ہے کہ نہایت چھوٹی قوسوں میں تنگی اعشاریہ کے باعث جیوب بعض رواج کا فرق دیتے ہیں۔

قوسِ صغیر کی لوگارثم جیب مستوی معلوم کرنے کا طریقہ کتاب میں اس طرح بتایا گیا ہے:

''قوس کی لوگارثم میں جس کی تحویل ثوانی کی طرف کی گئی ہو۔ ۴ء۶۸۵۵۷۴۹ جمع کرو حاصل جمع سے اس کی لوگارثمی سیکنڈ کا ۳/۱ تفریق کرو۔ اس آخر لوگارثم کا قوت نما بقدر دس کے پیش تر سے کم کیا گیا ہے، حاصلِ تفریق جیب مستوی مطلوبہ ہوگی۔''

اعلیٰ حضرت نے اوپر دیے ہوئے عددِ مدام کے بارے میں فرمایا: ''دانی کہ ایں از کجا ابد'' اور پھر خود ہی جواب دیا: ''ایں لوگارثم جیب ظل یک ثانیہ است۔''

دوسرا حاشیہ طریقۂ مذکورہ پر دیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

''بایں طریق لوج گرفتن از انم اوق است کہ جیب اصلی بعد یلی مابین السطرین گرفتہ بہ لوگارثم برند۔''

اس کی وضاحت ایک مثال سے فرمائی ہے اور مزید اس حاشیے میں چار طریقوں کا موازنہ فرمایا ہے۔ (۱) جدول کے ذریعے بین السطرین لوگارثم کو معلوم کرنا۔ (۲) کلیہ مذکورہ سے۔ (۳) جدول سے جیبِ قوس معلوم کرکے اس کی لوگارثم لی جائے۔ (۴) جیب کی اصل قیمت پھیلاؤ کے ذریعے معلوم کرکے اس کی لوگارثم لی جائے اور یہی سب میں افضل ہے۔

تیسرا حاشیہ اس کلیے کے بارے میں جو اوپر درج کیا گیا ہے اصل کتاب میں اس کا ثبوت نہیں دیا گیا۔ ۱۸۹۴ء ایڈیشن میں صرف Wood House کی Trigonometry کے صفحہ ۲۶۲/ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ۱۹۳۰ء کے نظرِ ثانی شدہ ایڈیشن میں ضرور اس کی مزید تشریح کی گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں: ''حاصل ایں عمل آہست کہ:

$$\frac{\text{عددِ ثوانی قوس} \times \text{جیب یک ثانیہ}}{\text{جزء الکعب قاطع مخط قوس}} = \text{جیب قوس}$$

کتاب میں دیے گئے کلیے کے استعمال میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ قاعدہ صرف بہت چھوٹی قوسوں کے بارے میں ہے اور ہم اسے آگے لے جائیں تو: ''۴ درجے پر جیب میں ۳ء کی کمی ہوگی، ۵ پر ۵ کی، ۶ پر ۱۱ کی، ۷ پر ۲۲ کی، ۸ پر ۳۶ کی، ۹ پر ۵۹ کی، ۱۰ پر ۹۰ کی، ۶۰ درجے پر ۱۷۸۴۵۳ کی تو قاعدہ برہانی نہیں۔''

اس کے بعد آپ نے ایک سہل طریقہ بیان فرمایا:

''ثم اقول بلکہ ایک ثانیہ سے ایک سوبیس ثانیے تک نہ اس تطویل کی حاجت ہے نہ اس تدقیق

کی ضرورت، بلکہ لوگارثم جیب یک دقیقہ لوگارثم ۶۰/ کو تفریق کریں، لوگارثم یک ثانیہ ہو جائے گا۔ اس میں دو کا لوگارثم جمع کرنے سے لوجیب ۲/ثانیہ ۳/ کا لو ملانے سے لوج ۳/ثانیہ۔ بعد کو نظر کی تو یہ وہی عددِ عام ہے جو لوگارثم قوانی میں جمع کیا جاتا ہے۔''

صفحہ ۲۱، ۲۲، ۲۳ پر دیے ہوئے حواشی میں آپ نے اپنے دیے ہوئے طریقے کا موازنہ دوسرے طریقوں سے کیا ہے۔ مثالوں سے اپنے حساب کی اقربیت پاکر یہ نتیجہ نکالا ہے: ''ہمارا حساب ادق بھی ہے اور یسر بھی۔''

اعلیٰ حضرت کا بیان کردہ طریقہ انتہائی سہل ہے۔ زاویہ کے ثوانی بنا کر اس کی لوگارثم میں ۴ء۶۸۵۵۷۴۹ جمع کرنے سے لوجیب حاصل ہو جاتی ہے جب کہ کتاب میں درج کلیے میں عمل طویل ہے اور تفاوت زیادہ۔ اعلیٰ حضرت کا طریقہ ۱۲۰/ثوانی سے بھی اوپر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ شروع میں فرق ساتویں اعشاریہ پر پھر چھٹے پر اور اسی طرح ایک درجہ پر چوتھے اور ۲/درجے پر تیسرے اعشاریہ تک نتیجہ صحیح ملے گا۔

ان چند حواشی کے بغور مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو علم مثلث اور لوگارثم پر زبردست عبور حاصل تھا۔ آپ ہر مسئلے کی گہرائی میں جاتے اور استدلال کے بغیر کوئی بات قبول نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے زمانے میں لوگارثم کا استعمال تو ایک طرف رہا کسورِ اعشاریہ کا استعمال بھی شاید ہی کوئی کرتا ہو۔ یہ حواشی انتہائی کاوش کا نتیجہ ہیں اور کیلکو لیٹر کے بغیر حسابی عمل کافی محنت طلب ہے۔

☆☆☆

''عرسِ رضوی'' جنوری ۲۰۱۳ء میں رضا اکیڈمی کی پیش کش (۲۸/کتابوں کا سیٹ)

۱ ذوقِ نعت
۲ وسائل بخشش
۳ صمصام حسن بردا بر فتن
۴ قند پارسی
۵ قطعات واشعارِ حسن
۶ دینِ حسن
۷ نگارستانِ لطافت
۸ تزکِ مرتضوی
۹ آئینۂ قیامت
۱۰ بے موقع فریاد کے مہذب جواب ندوۃ العلماء
۱۱ باقیاتِ حسن
۱۲ ثمرِ فصاحت
۱۳ ختم نبوت اور تحذیر الناس
۱۴ تقدیس الوکیل
۱۵ الصواعق المحرقہ
۱۶ پانچ بت
۱۷ مناظرۂ اہل سنت
۱۸ صحاح ستہ اور عقائد اہل سنت
۱۹ سوالات حقائق نما بروس
۲۰ فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ
۲۱ الخصائص الکبریٰ (جلد اول)
۲۲ الخصائص الکبریٰ (جلد دوم)
۲۳ تحقیق التراویح
۲۴ کوائف اخراجات
۲۵ اظہارِ روداد
۲۶ ہدایتِ نوری
۲۷ ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ
۲۸ حیاتِ اعلیٰ حضرت (مکمل)

مفتی اعظم ہندقدس سرہٗ

علم فتویٰ میں امام احمد رضا کا آئینہ

محمد اسلم رضا قادری اشفاقی

باسنی، ناگورشریف Cell. 09461380418

تاج داراہلِ سُنّت ،شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور سیدنا مفتی اعظم ہند قدّس سرّہٗ (۱۳۱۰ھ-۱۴۰۲ھ) کی فقہی بصیرت وجلالت اور محدثانہ شان وعظمت عالم گیرشہرت رکھتی ہے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے یہاں عرب وعجم،مصروشام، ہندوپاک سے سوالات آتے جن کا آپ اپنی محققانہ فکروبصیرت، فقہی وعلمی دقت اورحالاتِ زمانہ کی رُخصت ورعایت کی روشنی میں جوابات ارقام فرماتے۔مختلف مما لک وامصار کے علماوفقہا آپ کے علمی تبحر اوروسعتِ نگاہ پرمکمل اعتبارفرماتے اورایسا کیوں نہ ہوکہ وہ فضل وکمال میں اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت امام احمدرضا قادری برکاتی محدث بریلوی قدّس سرّہٗ کا آئینہ تھے، جن کی بصیرت وقیادت ،حکمت وتدبیر کی روشنی دوردور تک پھیلی ہوئی تھی ۔آپ کا ہرفتویٰ کتاب وسُنّت ،اقوالِ صحابہ وتابعین،ارشاداتِ ائمۂ مجتہدین،اوراجماع امّت سے مدلل ومبرہن ہوتا،جن کی بین دلیل ’’فتاویٰ مصطفویہ‘‘ ہے جوآپ کے علمی وفقہی استحضارکاعظیم شاہ کار ہے،جس کی ہرہرسطرسے فضل وکمال،حزم واحتیاط ،فقیہانہ شان وعظمت کے جلوے نظرآتے ہیں۔

حضورمفتی اعظم ہندعلیہ الرحمہ بلاتحقیق وتفتیش کسی بھی معین شخص پرحکمِ کفروارتداد لگانے میں محتاط تھے،اوراپنے والدگرامی اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمدرضا قادری برکاتی قدّس سرّہٗ کےنقشِ قدم پرگام زَن تھے،یہی سبب ہے کہ جب آپ کے علمی وفقہی دلائل وبراہین پرمبنی فتاووں کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تومحسوس ہوتا ہے کہ ایک جیدعالم وفقیہ کی کیاشان ہوتی ہے۔ہمیں مفتی اعظم کے اس عظیم کردارکوبھی اپنانے کی ضرورت ہے ،ہم صرف آپ کی ہمہ جہت شخصیت کا یہی پہلوخصوصیت سے بیان کرتے اورلکھتے ہیں کہ وہ بہت بڑے فقیہ ومفتی اورمتقی تھے،آپ کے حزم واحتیاط پربھی لکھنے کی ضرورت ہے۔حضورمفتی اعظم کے فقہی استحضارکا یہ ایک اہم پہلو ہے کہ احتیاط کے تمام تقاضوں کوپورا کرتے ہیں اورپھرحکمِ شرع جاری فرماتے ہیں۔

۱۹۲۵ء میں اخبار’زمین دار‘لاہورنے ایک شنیع وقبیح اورکفریہ اشعارپرمشتمل نظم شائع کردی،

جس پرایک ہنگامہ کھڑاہوگیا،اس نظم کے بعض اشعار کے متعلق اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت امام احمدرضا قادری برکاتی محدّث بریلوی قدّس سرّہٗ کے شاگردوخلیفہ حضرت مولانا سیدابوالبرکات صاحب قادری رضوی علیہ الرحمہ(۱۳۱۲ھ-۱۳۹۸ھ) نے کئی مفتیانِ عظام سے استفتا کیا،آپ نے یہی استفتاشہزادۂ اعلیٰ حضرت،حضورمفتی اعظم ہندعلیہ الرحمہ کے یہاں بھی ارسال کیا،جس کے جواب میں آپ نے ایک مبسوط رسالہ القسورۃ علیٰ اِدّوار الحمر الکفرۃ تحریرفرمایاجو’’فتاویٰ مصطفویہ‘‘صفحہ ۵۹۷؍ سے صفحہ ۶۲۰؍تک پھیلا ہوا ہے۔جس کی ہرہرسطرقرآن وحدیث،اقوالِ صحابہ وتابعین اوراجماعِ اُمّت سے چمک رہی ہے اوربیس سے زائد علماے کرام کے تائیدی دستخط ہیں ،جب یہ فتویٰ حضرت سیدابوالبرکات صاحب قبلہ نے ملاحظہ فرمایاتویوں پکاراٹھے:

’’وہ لوگ جوآفتابِ حق وہدایت کے حضورآنکھیں بندکرکے بلاتامل کہہ دیا کرتے ہیں کہ بریلی اورمسجدوزیرخان لاہورسے مسلمانوں پرکفرکےفتوے نکلتے ہیں ان کے پاس کفرکی مشین ہے،سب کوکافربناتے ہیں،آنکھیں کھولیں اورچشمِ بصیرت ونورِایمان سے اِس رسالۂ مبارکہ کوبنظرِانصاف ملاحظہ کریں کہ یہ صرف علماے بریلی اورحضرت مخدوم العلما،قدوۃ السالکین،زبدۃ العارفین،محی السنۃ قامع البدعۃ حضورپرنورمولانا مولوی سیدابومحمدمحمد دیدارعلی شاہ صاحب قبلہ مدظلہٗ (علیہ الرحمہ-راقم)ہی تکفیرفرمارہے ہیں یاتمام ہندوستان وپنجاب اورسندھ کے سُنّی وحنفی علماے کرام۔آخرمیں اپنے خالص ومخلص ناواقف بھولے بھالےمسلمان بھائیوں سے بہ ادب التجا کرتا ہوں کہ وہ ایک دفعہ اوّل سے آخر تک حرف بحرف بنظرِانصاف اس رسالہ کوملاحظہ فرمائیں،دوسروں کوسنائیں،متر ددین کودکھائیں،حق پسندی اورانصاف کوکام میں لائیں،اللہ ورسول (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)وقرآن کی عظمت وعزت کوسامنے رکھ کراپنے ایمان سےفتویٰ لیں،ان شاءاللہ تعالیٰ حق واضح اورعیاں ہے۔‘‘

(فتاویٰ مصطفویہ،ص۵۹۶،رضااکیڈمی ممبئی)

وہ کفریہ اشعاریہ ہیں:

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلانہیں قابو — مگرہم اس بتِ کافرکورام کرلیں گے

بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں — وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے

جومولوی نہ ملے گا تومالوی ہی سہی — خداخدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

حضورمفتی اعظم ہندقدّس سرّہٗ تحریرفرماتے ہیں:اے عزیز!یہ کیا پوچھتا ہے کہ یہ اشعاردرست ہیں یا خلافِ شرع؟............ارے برادرِدینی! یہ پوچھ کہ کیسے اخبث واشنع کفریات

ہیں، جن میں شائبہ بھی ایمان کا نہیں اور جو ان کے کفریات ہونے اور ان کے قائل وقابل کے کافر ہونے میں شک کرے اس کا کیا حکم ہے؟ بلکہ درحقیقت بات تو پوچھنے کی یہ بھی نہیں کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ قطعاً کفر ہیں، یقیناً کفر ہیں۔ **والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ**. بے شک ان اشعار کا قائل وقابل کافر اور جو اس کے کفر و مستحقِ عذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ بھی اسی کا ساتھی۔''

(فتاویٰ مصطفویہ، ص ۵۹۷۔۵۹۸)

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے علمی جلال و تیور سے عیاں ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جسارت و گستاخی، بے ادبی و بدکلامی کس قدر شنیع و قبیح ہے جس کے بعد انسان کسی بھی اعتبار سے مسلمان نہیں رہ جاتا بلکہ وہ اسلام سے نکل جاتا ہے، اور ساتھ ہی اس تحریر منیر سے قول اور قائل اور ان کے حامیوں کا حکم بھی بدیہی طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ پھر ان اشعار کا تفصیلی حکم اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

(۱) شعر اوّل کے دونوں مصرع کفرِ خالص ہیں، پہلے میں صاف تصریح کی کہ اس بت پر خدا کا قابو نہ چلا یہ اللہ عزوجل کی کھلی توہین اور اس کی قدرتِ عظیمہ کاملہ کریمہ ''**ان اللّٰہ علی کل شیٔ قدیر**'' کا ردو انکار ہے کہ ایک شیٔ ایسی بھی ہے جس پر خدا کو قدرت نہیں اور اس پر اس کا قابو نہیں اور وہ اس سے عاجز رہا۔ یہ سرے سے الوہیت کا انکار ہوا کہ جو عاجز ہو خدا نہیں ہو سکتا تو مصرع خبیثہ لعینہ کے قائل نے الوہیت ہی کا حقیقتاً رد و ابطال کیا تو بے شک وہ اور جو اسے قبول کرے وہ ہر مسلمان کے نزدیک کافر ہوا، جو ایسے کو کافر نہ جانے یا اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر۔ کہ پہلے نے کفر کو کفر نہ جانا الوہیت کا انکار، اگر کفر نہ ہوا تو اور کیا کفر ہوگا۔ ایمان کو ایمان جیسا جاننا ضروری ہے یوں ہی کفر کو ماننا۔ جو کفر کو کفر نہ جانے گا وہ ایمان کو کیا جانے گا۔ **الاشیاء تعرف باضدادھا** چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اندھا روشنی کی قدر کیا بتائے گا اور دوسروں نے شک کیا اور کفر کے کفر ہونے کی تصدیق ضروری ہے تو شک اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے کہ تصدیق ہی کا نام ایمان ہے اور بحالتِ شک ناممکن۔

(۲) اور دوسرے مصرع میں برملا اپنے آپ کو خدا سے زائد قدرت والا بتایا تو اس کا مرتبہ گھٹایا اور اپنا رُتبہ اس سے بڑھایا، ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ کتنا خبیث تر کفر، ملعون ہوا اس دوسرے مصرع میں اپنی الوہیت کا اثبات کیا، پہلے مصرع میں خدا کی الوہیت سے اسی لیے انکار کیا تھا، ظاہر ہے کہ مطلب یہ ہوا کہ لوگ جسے خدا کہتے ہیں اور اس کی قدرت بہت عظیم مانتے ہیں اور اسے ہر شیٔ پر قادر جانتے ہیں، ہم سچ کہتے ہیں کہ ایک چیز ایسی ہے کہ اس سے وہ عاجز رہا وہ اسے اپنی قدرت سے

دباتا رہا مگر اس کا اس پر قابو نہ چلا تو وہ خدا کا نہ ہوا کہ خدا عاجز نہیں ہوتا۔ اور ہم اس چیز کو بھی رام کر لیں گے جس پر لوگوں کے خدا کا قابو نہ چل سکا اور جس سے وہ عاجز رہا کسی طرح اسے رام نہ کر سکا تو ہم ہر شیٔ پر قادر ہوئے تو ہم خدا ہوئے نہ کہ وہ عاجز جسے لوگوں نے خدا بنایا۔ **والعیاذ باللّٰہ سبحانہ تعالیٰ**. کیا کوئی مسلمان اس کے کفر و ملعون میں ادنیٰ شک لائے گا، بے شک ہر مسلمان کہے گا کہ لاریب یہ کفر ہے اور اس کا قائل و قابل کفر۔

(۳) یوں ہی اس کا وہ دوسرا شعر نجس، کفرِ خالص ہے، مسلمانوں کا دین مقدس اسلام اللہ کو جسم و جسمانیات سے پاک بتاتا ہے، مکان جسم ہی کے لیے مخصوص ہے تو اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے وہ مجسم نہیں۔ نیز مکان مخلوق ہے وہ خالق ہے، مکان حادث ہے وہ قدیم ہے، مکان جسم کو محیط ہوتا ہے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی شیٔ اس کا احاطہ کرے وہ اپنے علم و قدرت سے ہر شیٔ کو محیط ہے۔ اور شاعر لندن کو خدا کا مکان بتاتا ہے تو خدا کو مجسم جانتا ہے اور لندن کو اسے محیط مانتا ہے جب تو کہتا ہے کہ خدا آج کل کعبے میں نہیں لندن میں ہے، بے شک وہ اہلِ اسلام کے نزدیک کافر ہے اللہ و رسول کے نزدیک کافر ہے، باوجود کہ مسلمان کعبہ معظّمہ کو بلکہ ہر مسجد کو اس لیے کہ وہ خالصاً اللہ ہی کی ملک ہیں بیت اللہ کہتے ہیں مگر جو کعبہ معظّمہ کو اللہ کا مکان اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس کا مکین مانے ان کے نزدیک کافر ہے۔ یوں ہی اللہ عزوجل زماں سے بھی پاک ہے کہ زمانہ بھی حادث و مخلوق ہے اور یوں بھی اس کعبہ معظّمہ سے لندن کو بڑھایا، کعبہ مقدّس کی توہین کی مگر جو رب کعبہ کی ایسی شدید توہین و تنقیص کر چکا ہو ایسے سے اس کی کیا شکایت؟ **ماعلی مثلہٖ بعد الخطاء** اس جیسی غلطی کی کیا شمار و قطار۔ یہاں اس احتمال کی بھی گنجائش نہیں کہ مکان سے اس کے مجازی معنیٰ مراد ہوں اگرچہ اس طور پر بھی یہ اطلاع درست نہ ہوتا مگر خاص شہروں کا تسمیہ اور ایک میں خدا کا وجود بتانا اور دوسروں کو اس سے خالی ماننا اس احتمال کو قطع کر کے کلام کا اخبث کفر متعین کرتا ہے۔

(۴) یوں ہی اس کا تیسرا شعر بھی کھلا الحاد و زندقہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مولوی و مالوی اس کے نزدیک برابر ہیں خدا و رام ایک ہیں کفر و اسلام میں کچھ فرق نہیں **ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہِ العلیّ العظیم**. اس کے نزدیک خدا خدا نہ کیا رام رام کر لیا بات ایک ہی ہے حاصل وہی ہے، حالاں کہ ہرگز خدا رام نہیں اور ہرگز رام خدا نہیں۔ مشرکین کا مذہب نا مہذب ہے کہ خدا ہر چیز میں رما ہوا سرایت و حلول کیے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ رمنے اور حلول کرنے سے پاک ہے، مشرک خدا کو اپنے اسی عقیدۂ خبیثہ کی بنا پر رام کہتے ہیں، تو خدا کو رام کہنا کفر ہوا اور خدا خدا کرنا عبادت، اور کفر کو عبادت جاننا

کفر، اور نہ سہی فرض کیجیے کہ رام کے یہ معنیٰ بھی نہ سمجھتا ہو جب بھی ہمارا خدا وہ نہیں جو ہنود بے بہبود کا مذموم خدا ہے، جسے مشرکین نے خدا سمجھ لیا ہے، قرآن عظیم اس پر شاہد ہے۔ تو معلوم ہوا اللہ وہ نہیں جو کفار کا مذعوم ہے اور جسے وہ رام رام سے پکارتے ہیں تو ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کا خدا خدا کرنا اور کفار کا رام رام بکنا ہرگز ایک نہیں ہوسکتا، اور کفار کے رام رام کے جپنے کو خدا کی یاد جاننا بے شک الحاد ہوا اور مشرکین میں اتنا جذب ہو جانے کو تو دیکھو کہ خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے کہ مسلمانوں اور ان کے پیشواؤں کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ان کے معبودِ برحق کا ترک اور مشرکین میں گھلنے کے لیے ان کے معبودِ باطل کا اختیار ہے اور یہ ترک واختیار دونوں کفر ہیں۔ **والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ**. کیسا اخبث کلمہ ہے" جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی"، کہ مولوی نہ ملے گا تو وہ بدنصیب مولوی کے خدا ہی کو چھوڑ دے گا اور مشرکین کے طاغوت مالوی کو اختیار کرلے گا اور مالوی کے خدا کو پوجنے لگے گا۔ **ولا حول ولا قوّۃ الاّ باللّٰہ العلی العظیم**. اس قائل اور ان شعرا پر جنھوں نے کہا ہے کہ ان اشعار کا مفاہیم کفر نہیں توبہ وتجدیدِ ایمان فرض اور ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔ نئے سرے سے مسلمان ہوں اور اپنی بیویوں سے جب کہ وہ راضی ہوں از سرِ نو نکاح کریں، اور اگر کہیں بیعت ہوں تو تجدیدِ بیعت بھی لازم۔ یوں ہی اگر حج کر چکے ہوں تو پھر حج کرنا بھی ضروری ہے کہ کفر سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں، تو پہلا حج اور اعمال حبط ہو گیا۔ اب دوسرا حج یوں فرض کہ حج کی فرضیت کا وقت عمر ہے۔ لہٰذا پھر حج ضروری وواجب۔ توبہ کریں اور بہانے نہ بنائیں کہ وہ کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۵۹۷ تا ۶۰۱)

مذکورہ بالا اقتباس میں اہلِ باطل کے عقیدۂ حلول کا جس انداز میں آپ نے رد فرمایا وہ آپ ہی کا حصہ ہے، خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد صاحب قبلہ مصباحی (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور) لکھتے ہیں:

"یہ وہ طرزِ افتا ہے جو امام احمد رضا کے فتاویٰ میں عام طور سے ملتا ہے، **الولد سر لابیہ**. اس فتویٰ میں وجوہِ کفر کا جس ژرف نگاہی اور دقتِ نظر سے جائزہ لیا گیا وہ ناظرین پر عیاں ہے، ساتھ ہی ہر وجہ کی دلیل بھی بیان کردی گئی ہے اور قائل کا حال بھی منکشف کر دیا گیا ہے۔"

(جہانِ مفتی اعظم، ص ۴۳۷، رضا اکیڈمی ممبئی)

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے اس فتویٰ پر باغیوں نے بڑا واویلا مچایا اور علما وفقہا کے خلاف اخباروں میں مضامین لکھے، گستاخیاں چھاپیں، علما کو کفر کی مشین تک کہا گیا کیوں کہ انھوں نے ان کے

کفر وارتداد کا حکم جاری فرمایا تھا جو ان پر واجب تھا۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"ہاں! تکفیر کرنے والے ان کے نزدیک خطا کار ہیں قصور وار ہیں مجرم ہیں گناہ گار ہیں، ان کے خیال میں کفر کرنا، کفر بکنا کچھ عیب نہیں کافر کہنا عیب ہے، جب تو کفر بکنے والوں کے طرف دار ہیں اور تکفیر کرنے والوں سے برسرِ پے کار ہیں، کوئی کہتا ہے کہ صاحب ان کے یہاں تو کفر کی مشین ہے جس میں رات دن کفر کے فتوے ڈھلتے ہیں، کوئی کہتا ہے اجی ساری دنیا کافر ہے بس یہ مسلمان ہیں، یہ بھی کافر وہ بھی کافر، سب کو کافر کیے ڈالتے ہیں، کوئی کہتا ہے یہ سب کو کافر کہتے ہیں انھوں نے اسلام کا دائرہ تنگ کر دیا ہے، بڑے تنگ نظر ہیں، بہت تنگ خیال ہیں، نہایت کم ظرف ہیں۔ للہ انصاف! یہ (علما) نگہ بانِ اسلام، محافظینِ ایمان وسنت حضرت خیر الانام علیہ الصّلاۃ والسّلام ہیں۔"

مزید لکھتے ہیں: "مسلمانو! یہ ان کیّادوں کا عظیم کید ہے کیا اس وقت کے علما کچھ اپنے گھر سے کہتے ہیں، جو کہتے ہیں کتاب وسنت اور اقوالِ علما ہی سے کہتے ہیں، آج تم سب توبہ کرلو اور اپنی اپنی کفر کی مشینیں توڑ ڈالو، علمائے کرام پھر کفر کی مشین نہ چلائیں گے، تمہارے دل نہ ہلائیں گے، یہ عیار مکار بھولے بھالے، سیدھے سادے مسلمانوں کو یوں چھلتے اور فریب دیتے ہیں کہ اب یہ آج کل کے علما ایسے پیدا ہوئے ہیں جو بات بات پر لوگوں کو کافر کہتے ہیں، پہلے کے علما ایسے نہیں تھے، علما تو وہی کہتے ہیں جو قرآن وحدیث انھیں سکھاتے ہیں، وہ اگر کافر کہتے ہیں تو اللہ ورسول نے کافر فرمایا، بحمد اللہ تعالیٰ کلام اپنے منتہی کو پہنچا اور ظاہر وباہر ہوا کہ یہ علما کو بے تہذیب وبے ادب بتانے والے خود سخت بے تہذیب اور نہایت بے ادب ہیں۔" (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۶۰۴۔ ۶۰۵، ۶۱۷)

علما وفقہا کو بدتہذیب وبے ادب کہنے سے مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو کس قدر شدید تکلیف ہوتی تھی وہ بیان سے باہر ہے اس لیے ہمیں علما کے آداب واحترام کا خاص طور سے خیال فرمانا چاہیے، تاکہ یہ امّت مزید فتنوں سے محفوظ رہے، یہی مسلکِ اعلیٰ حضرت ہے، خدائے قدیر ہم سب کو مسلکِ اعلیٰ حضرت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

سوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کے متعلق لکھتے ہیں: "اللہ ورسول کے نزدیک صرف ایک گروہ اہلِ حق ناجی ہے، حدیث میں **اِلَّا وَاحِدَۃ** فرما کر جس کا استثنا فرمایا جس کی نشانی صحابہ کی عرض پر "**مَا اَنَا علیہ وَاصحَابِی**" ارشاد ہوا یعنی وہ فرقہ (اہلِ سُنّت) جو اس راہِ حق کا متبع ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہم۔" (ایضاً، ص ۶۰۱۔ ۶۰۲)

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ بلاشبہہ اپنے عہد کے عظیم فقیہ ومفتی ومحدث تھے جن کی دور

بیں نگاہیں امت میں واقع ہونے والے فتنوں کو دیکھ رہی تھیں کہ کیسے کیسے لوگ مقدّس اسلام پر حملے کریں گے اور ضروریاتِ دین کے اندر شکوک وشبہات پیدا کرنے کی نازیبا کوشش کریں گے، اہلِ سُنّت وجماعت کے معتقدات کے خلاف آواز اٹھائیں گے اور اپنی کٹ حجتی پر قائم رہ کر قرآن وحدیث اور صحابہ واولیا اور علما کا مذاق بنائیں گے اس لیے آپ نے ہم غلاموں کی کامل طریقے سے رہ نمائی فرماتے ہوئے یہ تازہ نقوش تحریر کردیے ہیں، تاکہ ہم بوقتِ ضرورت انھیں اپنا کر دشمنانِ اسلام کی ناپاک اور گندی سازشوں کا پردہ چاک کر کے اہلِ سُنّت وجماعت کی حفاظت کریں اور ان شاطروں سے دور رہ کر اپنے ایمان وعقیدہ کی فکر کریں، آپ کا یہ رسالہ جس کا ایک ایک حرف آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے اس قدر آیاتِ قرآن اور فرموداتِ رسول ذی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مزیّن ہے کہ بس دیکھتے ہی جایے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری برکاتی قدّس سرّہٗ کے علمی فیوض وبرکات سے مالامال فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

''مفتی اعظم'' کوئی نیا لقب نہیں اور ایسا بھی نہیں کہ کسی ایک ہی کے لیے مخصوص ہو، لیکن یہ لقب پکارا جائے اور کسی ایک ہی ہستی کا واضح تاثر ابھرے، یہ خوبی اس لقب کے حوالے سے ہمارے ممدوح حضرت مفتی اعظم الحاج مولانا شاہ محمد مصطفےٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہ القوی کی ہے۔ ان سے نسبت کو افتخار اور ان سے عقیدت کو اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ وہ بہت بڑے باپ کے بیٹے تھے اور خود بھی بڑے تھے۔ وہ کتنی بڑائی اور کیسی خوبیاں رکھتے تھے اس کا بیان کرنے والے بھی آج بڑے بڑے ہیں۔

حضرت مفتی اعظم ایک فرد نہیں ایک عہد تھے، وہ ایک شخص نہیں کروڑوں کے لیے مرکز تھے، عقیدت ومحبت کا ایک مرکز۔ انھیں جتنا سوچا اور ان کے بارے میں جتنا سنا کاش کہ انھیں اتنا دیکھا بھی ہوتا......

مولانا کوکب نورانی اوکاڑی

(یادگارِ رضا ممبئی ۲۰۰۶ء، ص ۵۱-۵۲)

تاج الشریعہ علامہ محمد اختر رضا خاں ازہری
ایک ہمہ جہت شخصیت

غلام مصطفیٰ رضوی

(نوری مشن، مالیگاؤں)

Cell. 09325028586

اس وقت عالم اسلام میں تقویٰ، تفقہ، استقامت فی الدین، دعوت وتبلیغ، علمی برتری وتفوق، خدمتِ دینِ متین کے اعتبار سے مقبول ترین ذات قاضی القضاۃ فی الہند تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری مدظلہ العالی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عظمت دلوں میں ڈال دی ہے۔ عرب وعجم میں ایسا شہرہ ہے کہ جہاں جاتے ہیں وہاں کے اکابر آپ کی تعظیم وتکریم میں سبقت لے جاتے ہیں۔ دل کھنچے چلے آتے ہیں۔ چہرہ ایسا نورانی ہے کہ جو دیکھتا ہے کھوسا جاتا ہے، چہرے کا دیدار کرنے والے کہتے ہیں کہ ایمان میں تازگی سی آجاتی ہے۔ مجھ سے کئی افریقی و یورپی دوستوں نے کہا کہ ہمارے یہاں جب تاج الشریعہ کی آمد ہوئی تو انگریز کی نظر آپ کے چہرے پر پڑی دل کی دنیا ایسی بدلی کہ ایمان لے آئے۔ یہی کچھ معاملہ ہندوستان کا بھی ہے کہ بہت سے مشرکین نے اسلام کی دولت حاصل کی؛ ایک امتی کی نورانیت کا یہ عالم ہے تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کیسی ہوگی۔ ہندو، سکھ، عیسائی کثیر تعداد میں آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ولی وہ ہے کہ جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے اور تاج الشریعہ اس مقولے کی منھ بولتی تصویر ہیں، یہ عقیدت مندانہ غلو نہیں حقیقت پسندانہ تجزیہ ہے جو چاہے آزما کر دیکھ لے، صرف دیدار راقم کے اس موقف کی تصدیق کر دے گا۔ آپ کی شہرت خداداد ہے، یہ وہ شہرت نہیں جو سیم وزر کے بل پر ملتی ہے اور مارکیٹ میں بکتی ہے۔ جسے اللہ مقبول بنا لے اس کی تعظیم دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

۲۹ر نومبر ۲۰۱۳ء کی بات ہے، تاج الشریعہ ہمارے شہر مالیگاؤں تشریف لائے۔ بوقت شام شہر کی نیشنل شاہراہ پر بغیر پیشگی اطلاع کے ہزاروں کا مجمع استقبال کو جمع ہوگیا۔ جس میں زیادہ تعداد تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تھی۔ شب میں منعقدہ سُنّی کانفرنس میں مجمع اس قدر تھا کہ وسیع گراؤنڈ تنگ ثابت ہوا۔

شہر کی ایک صدی کی تاریخ میں ایسا مجمع دیکھنے میں نہ آیا، صرف دیدار کے لیے ۵۰/ ہزار سے زیادہ مسلمانوں کا اکٹھا ہو جانا خداداد مقبولیت ہی ہے۔

عالم گیر مقبولیت: تاج الشریعہ کو ۲۰۰۹ء میں عظیم وقدیم اسلامی یونیورسٹی جامعۃ الازہر مصر نے سب سے بڑے اعزاز ''شہادۃ الشکر والتقدیر مع درع الازہر'' Al-Azhar Shield سے نوازا۔ شیخ الازہر دکتور سید محمد طنطاوی نے چند علمی نزع میں آپ کی تحقیقاتِ علمیہ سے اتفاق کیا۔ جارج ٹاؤن یونیورسٹی ہر سال دنیا کا سروے کر کے مقبول شخصیات کی فہرست تیار کرتی ہے؛ اس نے ۲۰۱۰ء، ۲۰۱۱ء، ۲۰۱۲ء اور ۱۴-۲۰۱۳ء کے سروے میں آپ کو سلسلۂ قادریہ کے شیخِ طریقت اور سُنّی قائد کی حیثیت سے نمایاں مقام کا حامل تسلیم کیا۔ آپ کے اکثر اوقات سفر میں صرف ہوتے ہیں اس لیے علمی کام حالتِ سفر میں بھی جاری و ساری رہتے ہیں۔ عالم اسلام میں یکساں مقبول ہیں۔ تفسیر و حدیث اور فقہ میں جو استحضار، درک اور گہرائی و گیرائی حاصل ہے اس کا اعتراف جید علماے عرب نے کیا ہے، سندِ اجازتِ حدیث لینے والے طلبا سینکڑوں میں ہیں جن میں ایک بڑی تعداد علماے عرب کی ہے۔

دین پر استقامت: دین پر استقامت کا یہ عالم ہے کہ مصلحت سے کام نہیں لیتے جو شریعت کا حکم ہے وہ کہہ سناتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ درجنوں ایسے واقعات مل جاتے ہیں کہ اقتدار نے گھٹنے ٹیک دیے، طاقت وروں نے سرِ تسلیم خم کر لیا۔ تصویر کشی اور ویڈیو گرافی آج کل عام ہے، بہت سے مشاہیر بھی ان میں مبتلا ہیں، تاج الشریعہ پورے سال دورے پر رہتے ہیں، یورپ و افریقہ، امریکہ و دیگر ممالک میں دورے ہوتے رہتے ہیں لیکن کہیں کا جدت پسند ماحول اور نفس پرستی بھی آپ کے تقوے کو چیلنج نہ کر سکے۔ دین پر ایسی استقامت اس عہدِ قحط الرجال میں مشکل ہے۔

بحیثیت فقیہ: آپ کے معرکۃ الآرا فتاویٰ ساری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہی۔ غیر مطبوعہ فتاویٰ کی جدید انداز میں اشاعت کی جائے تو بہت سی جلدیں تیار ہو جائیں، دو جلدوں میں Azhrul-Fatawa کے نام سے انگریزی فتاویٰ افریقہ سے شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں ایمر جنسی کے دور میں جب کہ سبھی دارالافتا حکومت کی جی حضوری میں فتوے جاری کرنے پر مجبور تھے، مفتی اعظم ہند کے ایما پر آپ نے جرأت و استقامت کے ساتھ نس بندی کے خلاف جو فتویٰ صادر کیا اس سے حکومت تک دہل گئی، آپ نے ہندوستان میں دارالافتا و شریعت کے وقار کی پاس داری کر کے ایک مثال قائم کر دی۔ احکامِ شریعت کے اجرا میں تصلب ایسا ہے کہ کبھی رجوع کی نوبت نہ آئی۔ یہ دین پر استقامت اور حفظِ شریعت کے پاس و لحاظ کے سبب ہے جو عطاے ایزدی ہے۔

شہادت بابری مسجد کا ذمہ دار نرسمہا راؤ جب بریلی آیا تو آپ ہی کے حکم پر اسے درگاہِ اعلیٰ حضرت تک نہیں پہنچنے دیا گیا اور اسے خائب و خاسر واپس جانا پڑا۔ آپ کی عربی، اردو تصانیف نیز تراجم کی تعداد درجنوں میں ہے۔ جن کی ایک فہرست ''تجلیات تاج الشریعہ'' مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی میں چھپ چکی ہے، علاوہ ازیں دہلی، بریلی، لاہور، کراچی، مصر، شام، یمن، ڈربن وغیرہ سے کافی تصانیف چھپ کر علمی دنیا میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

شعر و ادب میں ملکہ وراثتی معلوم ہوتا ہے، آپ کے جدِ امجد امام احمد رضا کی شاعری نے اربابِ فکر و ادب کو متاثر کر رکھا ہے۔ آپ کی ادبی شان آن بان کا یہ عالم ہے کہ فن کا کوئی سا پہلو تشنہ نہیں رہتا، وارفتگی و عشق نبوی میں سرشاری اس پر مستزاد، فکری بلندی اور گیرائی کا یہ عالم کہ ہر کلام گویا وہبی معلوم ہوتا ہے، آپ کے اشعار اس پر شاہد عدل ہیں۔ مجموعہ کلام ''سفینۂ بخشش'' کے درجنوں ایڈیشن ہند و پاک سے شائع ہو چکے ہیں۔ عربی زبان و ادب میں مہارتِ تامہ حاصل ہے۔ عربی ایسی فصیح و بلیغ کہ گویا فطرت عربی ہے۔ عجمی کا گمان نہیں گزرتا جس کا اعتراف علماے عرب کر چکے ہیں۔

مشاہیر کی نظر میں:

[۱] **محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ**: ''حضرت علامہ ازہری کو میں نے انگلینڈ، امریکہ، ساؤتھ افریقہ، زمبابوے وغیرہ میں برجستہ انگریزی زبان میں تقریر و وعظ کرتے دیکھا ہے اور وہاں کے تعلیم یافتہ لوگوں سے آپ کی تعریفیں بھی سنیں اور یہ بھی ان سے سُنا کہ حضرت کو انگریزی زبان کے کلاسیکی اسلوب پر عبور حاصل ہے۔'' (تجلیات تاج الشریعہ، طبع رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۴۷)

[۲] **حضرت سید غیاث الدین ترمذی**، سجادہ نشین خانقاہ محمدیہ کالپی شریف: ''حضور تاج الشریعہ کی جامع تصوف شخصیت ظاہر و باہر ہے، آپ کی علمی، فقہی، مسلکی، ملی، تصنیفی اور روحانی خدمات نے آپ کو عالمِ اسلام کی آفاقی شخصیت بنا دیا ہے۔'' (مرجع سابق، ص ۳۳)

[۳] **حضرت سید محمد اشرف مارہروی**، خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ: ''کاش ایسا ہو کہ ہماری خانقاہِ برکات کی اگلی پیڑھیاں اپنے زمانے کے پود والے سے کہہ سکیں کہ سُنو! ماضیِ قریب میں ہماری خانقاہ کی تین کرامتیں ہیں: احمد رضا، مصطفیٰ رضا اور اختر رضا۔'' (مرجع سابق، ص ۲۸۵)

[۴] **مولانا سید محمد جیلانی اشرف کچھوچھوی**: ''حاشیہ المعتمد المستند، فاضلِ بریلوی نے عربی زبان میں لکھا ہے...... اسے اہلِ سُنّت کی نئی نسل کے لیے تاج الشریعہ ملک الفقہا حضرت العلام اختر رضا خاں ازہری صاحب نے ایسا ترجمہ کیا کہ گویا خود ان کی تصنیف

ہے۔'' (مرجع سابق، ص۴۳)

[۵] **حضرت سید فخر الدین اشرف** اشرفی الجیلانی، درگاہ مقدسہ کچھوچھہ شریف: ''میں حضرت تاج الشریعہ کو اپنے وقت کا ایک عظیم دور اندیش مدبر و مفکر و مصلح قوم ہونے کے ساتھ ایک مردِ کامل ہی نہیں بلکہ ولیِ کامل حتیٰ کہ 'قطبِ وقت' بھی سمجھتا ہوں۔'' (مرجع سابق، ص ۲۱۵)

[۶] **حضرت سید فضل المتین چشتی** درگاہ اجمیر شریف: ''(تاج الشریعہ) کے بغیر ہمارے عہد کی دینی، فقہی، مسلکی اور تبلیغی تاریخ مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔'' (مرجع سابق، ص ۳۵)

[۷] **مفتی اشفاق حسین نعیمی**، مفتی اعظم راجستھان: ''تاج الشریعہ ماشاء اللہ علم و فضل، زہد و تقویٰ و تدین میں یکتائے روزگار ہیں۔'' (مرجع سابق، ص ۴۹)

[۸] **مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی** شاہی امام فتح پوری مسجد دہلی: ''حضرت تاج الشریعہ مولانا اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہ نے اپنے تدبر سے اور فاضلانہ و قائدانہ صلاحیتوں سے ایک مرتبہ پھر اس خدمت عظیم کو برقرار رکھا ہے جس سے اعدا کی صفوں میں ماتم ہے۔ حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کی فقہی بصیرت، علمی طنطنہ اور علومِ اسلامیہ پر دسترس اپنی جگہ مسلّم ہے، آپ نے بیعت و ارشاد کے ذریعے ملک و بیرون ملک گم گشتگانِ راہ کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا ہے۔ اسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، اس پر سوادِ اعظم اہلِ سُنّت کو فخر ہونا چاہیے۔'' (مرجع سابق، ص ۵۶)

[۹] **مفتی ایوب نعیمی**، شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مراد آباد: ''گلستانِ ادب میں ایسے پھول بن کر نکلے کہ دُنیا مشامِ جاں کو ان (تاج الشریعہ) سے معطر کر رہی ہے، فقاہت، عربی ادب اور تقویٰ آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔'' (مرجع سابق، ص ۵۴)

[۱۰] **ڈاکٹر اشرف آصف جلالی**، ادارۂ صراط مستقیم لاہور: ''امام العصر شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد اختر رضا خاں قادری حفظہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت علوم و معارفِ رضا کے لیے ایک آئینہ کی حیثیت رکھتی ہے اور علم و عمل کے لحاظ سے معیار گردانی جاتی ہے۔'' (مرجع سابق، ص ۶۰)

[۱۱] **مفتی عبدالمنان کلیمی**، مفتی شہر مراد آباد: ''مخدومی تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں مدظلہ العالی عالمِ اسلام کی نظر میں نابغۂ روزگار و عبقری شخصیت کے حامل ہیں۔'' (مرجع سابق، ص ۶۴)

[۱۲] **مولانا یٰسٓ اختر مصباحی**، دار القلم دہلی: ''علما و طلبا و خواص و عوام کے درمیان جانشین مفتی اعظم حضرت ازہری میاں مدظلہ العالی کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہے اس زمانے میں مشکل ہی سے کہیں اس کی کوئی مثال اور نظیر مل پائے گی۔'' (مرجع سابق، ص ۶۸)

[۱۳] **قمرؔ بستوی**، امریکہ: ''آپ کا عربی کلام تنا شُستہ اور رواں زبان میں ہوتا ہے کہ عجمیت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔'' (مرجع سابق، ص ۷۳)

[۱۴] **ڈاکٹر ممتاز سدیدی** ازہری، لاہور: ''حضرت تاج الشریعہ نے جب المعتقد المنتقد کا عربی سے اردو میں عام فہم ترجمہ کیا تو والد ماجد (علامہ شرف قادری) علیہ الرحمہ نے تحریراً خوشی کا اظہار فرمایا۔'' (مرجع سابق، ص ۷۷)

[۱۵] **علامہ منشا تابش قصوری**، لاہور: ''حضرت تاج الشریعہ کی تفاسیر و احادیث اور کتبِ فتاویٰ پر بڑی گہری نظر ہے۔'' (مرجع سابق، ص ۵۵۰)

[۱۶] **علامہ سید عرفان مشہدی**، جماعت اہلِ سُنّت برطانیہ: ''دورِ حاضر میں اعلیٰ حضرت، حضور حجۃ الاسلام، سرکار مفتی اعظم ہند کے سچے جانشین، افکارِ رضا کے کھرے وارث و قائد حضور تاج الشریعہ مفتی اعظم علامہ اختر رضا قادری ہیں۔'' (مرجع سابق، ص ۴۰)

تاج الشریعہ کو چاروں سلاسل (قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، چشتیہ) میں متعدد طرق سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔ آپ کے ذریعے سلسلۂ قادریہ جو تمام سلاسل میں سب سے زیادہ پھیلا ہوا ہے کی اشاعت پوری دنیا میں ہوئی اور ہو رہی ہے، اس وقت آپ شریعت و طریقت کے جامع اور شیخِ وقت ہونے کی حیثیت سے عالم اسلام میں مقبول ہیں۔ خلفا کی تعداد سینکڑوں میں ہے، علی اشرف چاپدانوی نے عرب خلفا کی ایک تحقیقی فہرست تیار کی ہے۔

تاج الشریعہ کی ذات اہلِ سُنّت کے لیے باعث فخر و انبساط ہے، ایسی پاکیزہ ذات کی خداداد مقبولیت سے حسد کرنا نادانی و تنگ نظری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ آپ کی قیادت و رہنمائی میں اشاعتِ دین و سُنّیت اور فروغِ عشق رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک فریضہ انجام دیں۔ یہی وقت کا تقاضا اور اہلِ سُنّت کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

''مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی چودھویں صدی ہجری کے بلند پایہ فقیہ، متبحر عالم، بہترین نعت گو، صاحبِ شریعت و صاحبِ طریقت بزرگ تھے۔ ان کا امتیازی وصف جو دوسرے تمام فضائل و کمالات سے بڑھ کر ہے وہ ہے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔''

ڈاکٹر جمیل جالبی (کراچی یونیورسٹی کراچی، پاکستان)

(امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، یٰسٓ اختر مصباحی، ص ۸۶)

اعلیٰ حضرت کی ردشیعیت میں خدمات
کا اعتراف علمائے دیوبند کے قلم سے

میثم عباس قادری رضوی

massam.qadiri@gmail.com

امامِ اہلِ سُنّت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دیوبندی فرقہ کی جانب سے یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے جیسا کہ ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی صاحب نے ''مطالعۂ بریلویت'' اور ان کی کتاب سے سرقہ کرکے مولوی الیاس گھمن دیوبندی صاحب نے مسروقہ کتاب مسمّٰی بنام ''فرقۂ بریلویت پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ'' میں دجل وفریب سے کام لیتے ہوئے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ نظریات کا حامل قرار دیتے ہوئے شیعہ ہونے کی تہمت لگائی ہے۔اور یہی راگ ان کے پیروکار دیگر دیوبندی حضرات بھی الاپتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن جب دیوبندی علما سے ان کے اس موقف پر دلیل طلب کی جاتی ہے تو چوں کہ یہ علمی دلائل سے یکسر تہی دامن ہوتے ہیں اس لیے سوائے دجل وفریب کے کچھ بھی ان کے پاس نہیں ہوتا۔

کھلا چیلنج:

آج بھی تمام دنیائے نجدیت و دیوبندیت کو میرا یہ کھلا چیلنج ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا شیعہ کی ہم نوائی میں کوئی ایک ایسا عقیدہ بیان کریں جس کا علمائے اسلام میں سے کوئی بھی قائل نہ ہو۔ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ایسا ثابت نہیں کرسکیں گے بلکہ قارئین کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ دیوبندی فرقہ ہی کے کئی علما اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ سیدی اعلیٰ حضرت نے شیعہ کا بہترین رد کیا ہے،اس کے علاوہ دیوبندی علما اعلیٰ حضرت کو تعظیمی ودعائیہ کلمات سے بھی یاد کرتے ہیں۔اعلیٰ حضرت پر شیعیت کی تہمت لگانے والے دیوبندی علما کے اس مکروہ پروپیگنڈے کی وجہ سے میں نے مناسب سمجھا کہ ان کے اس بے بنیاد الزام کا جواب بھی علمائے دیوبند ہی کے حوالہ جات کو جمع کرکے دے دیا جائے جس سے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر شیعیت کی تہمت کا جھوٹ ہونا خود علمائے دیوبند کے قلم سے ہی ثابت

ہو جائے گا ان شاء اللہ.

شیعیت کے خلاف اعلیٰ حضرت نے اکابر علمائے دیوبند سے سخت فتویٰ دیا ہے:

[۱] مسلکِ دیوبند کے مشہور عالم دین مولوی قاضی مظہر حسین دیوبندی صاحب نے ردِ شیعیت کے متعلق اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ شیعہ کے خلاف سیدی اعلیٰ حضرت نے اکابرِ دیوبند سے سخت فتویٰ دیا ہے۔قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حساس بریلوی علما بھی شیعہ جارحیت کے مخالف ہیں اور بریلوی مسلک کے امام جناب مولانا احمد رضا خاں مرحوم نے روافض کے خلاف اکابر علمائے دیوبند سے بھی سخت فتویٰ دیا ہے چناں چہ آپ کا ایک رسالہ ''ردالرفضہ'' ہے جس کے شروع میں ہی ایک استفتا کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ''رافضی تبرائی جو حضراتِ شیخین صدیق اکبر و فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما خواہ ان میں سے ایک کی شانِ پاک میں گستاخی کرے اگر چہ صرف اسی قدر کہ انھیں امام وخلیفہ برحق نہ جانے کتبِ معتمدہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عامہ ائمہ ترجیح وفتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہے۔'' (درمختار،مطبع ہاشمی،صفحہ ۶۴ میں ہے الخ)

بحرالرائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں:''صحیح یہ ہے کہ ابوبکر یا عمر رضی اللہ عنہما کی امامت وخلافت کا منکر کافر ہے۔''(صفحہ۶)

''شیخین رضی اللہ عنہما کو بُرا کہنا ایسا ہے جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی کرنا اور امام صدر شہید نے فرمایا جو شیخین کو بُرا کہے یا تبرا بکے کافر ہے۔''(صفحہ۱۲)

''شفا مولفہ قاضی عیاض محدث کے حوالہ سے لکھتے ہیں:اور اس طرح ہم یقینی کافر جانتے ہیں ان غالی رافضیوں کو جو ائمہ کو انبیا سے افضل بتاتے ہیں۔''(صفحہ۲۱)

(ماہ نامہ حق چار یار لاہور، جون۔جولائی ۱۹۹۰ء،صفحہ ۵۰)

[۲] قاضی مظہر حسین دیوبندی صاحب اپنی کتاب ''یادگارِ حسین'' میں لکھتے ہیں کہ:''بریلوی اہلِ سُنّت کے علما ماتم وتعزیہ وغیرہ کو ناجائز اور حرام ہی قرار دیتے ہیں۔''

(یادگارِ حسین،صفحہ ۱۴۱،شائع کردہ تحریک خدام اہلِ سُنّت، چکوال ضلع جہلم پاکستان،طبع دوم،ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ)

[۳] اسی کتاب میں قاضی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:''بریلوی مسلک کے امام حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم کے فتاویٰ میں ہے (الف) محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟(الجواب) ناجائز ہے کہ وہ مناہی اور منکرات سے مملو ہوتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عرفانِ شریعت،صفحہ ۱۵)

(ب) تعزیہ بنانا اوراس پرنذر نیاز کرنا، عرائض بہ امید حاجت براری لٹکانا اور بہ نیت بدعت حسنہ اس کو داخلِ سنت جاننا کتنا گناہ ہے؟ (الجواب) افعالِ مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعت وممنوع وناجائز ہیں انھیں داخلِ ثواب جاننا اور موافق شریعت اور مذہبِ اہلِ سُنّت ماننا اس سے سخت تر وخطائے عقیدہ وجہل اشد ہے۔'' (رسالہ تعزیہ داری، صفحہ ۱۵)

(ج) تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض ورُوگردانی کریں اس طرف دیکھنا ہی نہ چاہیے۔ (عرفانِ شریعت، حصہ اول، صفحہ ۱۵)''

(یادگارِ حسین، صفحہ ۱۸، ۱۹، شائع کردہ تحریک خدام اہلِ سُنّت چکوال ضلع جہلم پاکستان طبع دوم ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ)

[۴] قاضی مظہر حسین دیوبندی صاحب رد شیعیت میں لکھی گئی اپنی کتاب ''بشارات الدارین'' میں بھی لکھتے ہیں کہ:

''مسلک بریلویت کے پیشوا حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بھی ہندوستان میں فتنۂ رفض کے انسداد میں بہت مؤثر کام کیا ہے اور روافض کے اعتراضات کے جواب میں اصحابِ رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کی طرف سے دفاع کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ منکرینِ صحابہ رضی اللّٰہ عنہم کی تردید میں ''ردالرفضہ'' ''رد تعزیہ داری'' ''الادلۃ الطاعنہ فی اذان الملاعنہ'' وغیرہ آپ کے یادگار رسائل ہیں جن میں سنی شیعہ نزاعی پہلو سے آپ نے مذہبِ اہلِ سُنّت کا مکمل تحفظ کردیا ہے۔''

(بشارات الدارین، صفحہ ۶۶۳، مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑی ملتان روڈ لاہور)

[۵] اسی کتاب بشارات الدارین سے سیدی اعلیٰ حضرت کے متعلق کچھ اقتباسات ملاحظہ کیجیے، قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ: ''حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ بزرگانِ دین کی تصاویر بطورِ تبرک لینا کیسا ہے؟ تو ارشاد فرمایا: ''کعبہ معظّمہ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل وحضرت مریم کی تصاویر ہی تھیں کہ یہ متبرک ہیں ناجائز فعل تھا۔ حضور اقدس صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے خود دست مبارک سے انھیں دھویا۔ (ملفوظات، حصہ دوم، ص ۸۷)''

(بشارات الدارین، صفحہ ۲۳۹، ناشر ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑی ملتان روڈ لاہور)

[۶] قاضی صاحب نے اسی کتاب میں ۳/ جگہ سیدی اعلیٰ حضرت کا اسمِ گرامی یوں لکھا ہے: ''حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی۔'' (بشارات الدارین، صفحہ ۲۷۰)

''حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی۔'' (بشارات الدارین، صفحہ ۵۲۳)

''مولانا بریلوی مرحوم'' (بشارات الدارین، صفحہ ۵۲۴)

کتاب ''یادگارِ حسین'' اور ''بشارات الدارین'' میں قاضی مظہر دیوبندی صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت کی طرف سے شیعہ کا رد کرنا نقل کیا ہے اور آپ کے لیے ''حضرت'' کا تعظیمی لفظ لکھا ہے، اس کے علاوہ اپنے ماہ نامہ ''حق چار یار'' اور ''بشارات الدارین'' میں قاضی صاحب نے اعلیٰ حضرت کو ''مرحوم'' بھی لکھا ہے۔ اور دورِ حاضر میں سارق الکتب مشہور دیوبندی عالم الیاس گھمن صاحب نے اپنی کتاب ''فرقہ سیفیہ کا تحقیقی جائزہ'' کے صفحہ ۱۷، ۱۸ پر کسی شخصیت کے ساتھ لفظ ''مرحوم'' لکھنے کو ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہنے کے مترادف ٹھہرایا ہے۔ گویا دیوبندی حضرات کے ''مزعومہ اسلام کے متکلم'' الیاس گھمن صاحب کے بیان کیے گئے اصول کے مطابق قاضی مظہر دیوبندی صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت کے لیے ''مرحوم'' لکھ کر آپ کے لیے رحمت کی دعا کی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قاضی مظہر دیوبندی صاحب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ نہیں بلکہ شیعہ کا مخالف سمجھتے تھے۔

بعض حوالوں سے علمائے اہلِ سُنّت (بریلی) کے یہاں تکفیرِ شیعہ سے متعلق زیادہ شدت پائی جاتی ہے: (سعید الرحمٰن علوی دیوبندی کا اعتراف)

[۷] اسی طرح خدام الدین لاہور کے سابق ایڈیٹر مولوی سعید الرحمٰن علوی دیوبندی صاحب بھی اہلِ سُنّت اور سیدی اعلیٰ حضرت کے حوالہ سے پھیلائی گئی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''پاکستان اور برصغیر کے خصوصی حوالہ سے تحقیق وتجزیہ کرتے ہوئے اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ناگزیر ہے کہ سنی، اثنا عشری کشمکش صرف اہلِ سُنّت کے حنفی، دیوبندی یا اہل حدیث مسالک تک محدود ہے اور حنفی بریلوی اہلِ سُنّت اس فکری واعتقادی کشمکش سے علیحدہ ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ حنفی بریلوی علمائے اہلِ سُنّت بھی شیعہ اور اثنا عشریہ کے گم راہ کن عقائد کے بارے میں اپنے افکار وفتاویٰ میں اتنے ہی حساس اور شدید ہیں جتنا کہ دیگر سنی مکاتب بلکہ بعض حوالوں سے ان کے ہاں تکفیر اثنا عشریہ وروافض کے حوالہ سے شدت نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے جس کا ثبوت زیرِ مطالعہ کتاب میں درج اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی (بحوالہ ''ردالرفضہ'' وغیرہ) مولانا عبدالباقی فرنگی محلی مہاجر مدنی، خواجہ محمد قمر الدین سیالوی چشتی سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف وبانی صدر جمعیت علمائے پاکستان نیز مفتی اعظم پاکستان علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری قادری سابق رکن قومی اسمبلی پاکستان ورئیس دارالعلوم امجدیہ کراچی، مفتی خلیل احمد قادری بدایونی خادم دارالافتا بدایوں وغیرہم کے افکار وفتاویٰ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔'' (افکارِ شیعہ، صفحہ ۲۰)

قارئین ! نے ملاحظہ کیا کہ سعید الرحمٰن علوی دیوبندی صاحب نے بھی سیدی اعلیٰ حضرت اور دیگر علمائے اہلِ سُنّت کے متعلق یہ اقرار کرلیا کہ شیعہ کے متعلق ان کے ہاں دیگر مسالک (دیوبندی وہابی) کی نسبت شدت زیادہ ہے۔

[۸] علوی دیوبندی صاحب اسی کتاب میں مزید لکھتے ہیں کہ:

''اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اب سے قریباً نوے سال پہلے ایک سوال کے جواب میں نہایت مفصل و مدلل فتویٰ تحریر فرمایا تھا جو ۱۳۲۰ھ میں ''ردالرفضہ'' کے تاریخی نام سے شائع ہوا تھا۔ اس میں مستفتی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے شروع میں تحریر فرمایا ہے: ''تحقیق مقام و تفصیل مرام یہ ہے کہ رافضی تبرائی جو حضراتِ شیخین صدیق اکبر، فاروقِ اعظم رضی اللّٰـہ عنہما خواہ ان میں سے کسی ایک کی شان میں گستاخی کرے اگرچہ صرف اسی قدر کہ انھیں امام و خلیفہ برحق نہ جانے کتبِ معتمدہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عام ائمہ ترجیح و فتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہے'' پھر مولانا مرحوم نے فقہ حنفی کی قریباً چالیس کتب معتمدہ و معتبرہ سے اس کا ثبوت پیش کرنے کے بعد صفحہ ۱۷ پر تحریر فرمایا ہے: ''یہ حکم فقہی تبرائی رافضیوں کا ہے اگرچہ تبرا و انکارِ خلافتِ شیخین رضی اللّٰـہ عنہما کے سوا ضروریاتِ دین کا انکار نہ کرتے ہوں ''**والا حوط فیہ قول المتکلمین انھم ضلال من کلاب النار لا کفار وبہ ناخذ**'' (اور اس سلسلے میں ماہرینِ علم العقائد کا محتاط تر قول یہ ہے کہ ایسے لوگ گم راہ، کافر اور جہنم کے کتے ہیں اور ہم اسی رائے سے متفق ہیں) اور روافض زمانہ تو ہرگز صرف تبرائی نہیں علی العموم منکرانِ ضروریاتِ دین اور باجماعِ مسلمین یقیناً قطعاً کفار مرتدین ہیں یہاں تک کہ علمانے تصریح فرمائی ہے کہ جو انھیں کافر نہ جانے خود کافر ہے۔'' سیدنا معاویہ کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''حضرت امیر معاویہ پر طعن کرنے والا جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔'' (احکامِ شریعت، صفحہ ۵۵) اعلیٰ حضرت اپنے مشہور تفصیلی فتویٰ ''ردالرفضہ'' میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ: ''بالجملہ ان رافضیوں تبرائیوں کے باب میں حکمِ قطعی اجماعی یہ ہے کہ وہ علی العموم کفار و مرتدین ہیں ان کے ساتھ مناکحت نہ صرف حرام بلکہ خالص زنا ہے، معاذ اللہ مرد رافضی اور عورت مسلمان ہو تو یہ سخت قہرِ الٰہی ہے۔ اگر مرد سنی اور عورت ان خبیثوں کی ہو جب بھی ہرگز نکاح نہ ہوگا، اولاد ولد الزنا ہوگی، باپ کا ترکہ نہ پائے گی، اگرچہ اولاد بھی سنی ہی ہو کہ شرعاً ولد الزنا کا باپ کوئی نہیں۔ عورت نہ ترکے کی مستحق ہوگی نہ مہر کی کہ زانیہ کے لیے مہر نہیں۔ رافضی اپنے کسی قریب حتیٰ کہ باپ بیٹے، ماں بیٹی کا بھی ترکہ نہیں پاسکتا، سنی تو سنی کسی مسلمان بلکہ کافر کے بھی یہاں

تک کہ خود اپنے ہم مذہب رافضی کے ترکے میں اس کا اصلاً کچھ حق نہیں۔ ان کے مرد عورت عالم جاہل کسی سے میل جول سلام و کلام سب سخت کبیرہ اشد حرام۔ جو ان کے ملعون عقیدوں پر آگاہ ہو کر پھر بھی انھیں مسلمان جانے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے بہ اجماع تمام ائمہ دین خود کافر بے دین ہے اور اس کے لیے بھی یہی احکام ہیں جو ان کے لیے مذکور ہوئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس فتویٰ کو بگوشِ ہوش سنیں اور اسی پر عمل کر کے سچے پکے مسلمان سنی بنیں۔'' **وباللّٰـہ التوفیق واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم**

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی (محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان) (ردالرفضہ، تالیف اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی، صفحہ ۲۹، وراجع ایضاً، متفقہ فیصلہ، مطبوعہ لاہور، حصہ اول، صفحہ ۱۷۷)'' (افکارِ شیعہ، صفحہ ۳۱۵ و ۳۱۶)

اعلیٰ حضرت کی ردشیعیت میں خدمات کا اعتراف: (مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی دیوبندی کے قلم سے)

[۹] سیدی اعلیٰ حضرت کو شیعہ قرار دینے والے مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی دیوبندی صاحب کو بالآخر اپنے باطل موقف کو چھوڑ کر سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کو تسلیم کر کے اہلِ سُنّت کے دروازے پر دستک دینی پڑی اور یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑی کہ اعلیٰ حضرت شیعہ کو کافر کہتے تھے۔ فاروقی دیوبندی صاحب نے اپنی کتاب میں ''اہلِ سُنّت والجماعت علمائے بریلی کے تاریخ ساز فتاویٰ'' کی سرخی قائم کر کے پیر مہر علی شاہ صاحب کے اسمِ گرامی کے بعد سیدی اعلیٰ حضرت کا اسم گرامی یوں لکھا ہے ''اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔''

(تاریخی دستاویز، صفحہ ۱۱۳، شعبۂ نشر و اشاعت سپاہ صحابہ پاکستان)

[۱۰] اس کے اگلے صفحے پر لکھا ہے: ''اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اہم فتویٰ۔''

(تاریخی دستاویز، صفحہ ۱۱۳، شعبۂ نشر و اشاعت سپاہ صحابہ پاکستان)

ردالرفضہ سے سیدی اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کا ایک اقتباس نقل کر کے ضیاء الرحمٰن فاروقی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کی تصانیف ردِ شیعیت میں'' اعلیٰ حضرت نے ردشیعیت میں ''ردالرفضہ'' کے علاوہ متعدد رسائل لکھے ہیں جن میں چند ایک یہ ہیں۔ (۱) الادلۃ الطاعنہ (روافض کی اذان میں کلمہ خلیفہ بلافصل کا شدید رد) (۲) اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الھند وبیان شھادۃ

(۱۳۲۱ھ)تعزیہ داری اورشہادت نامہ کا حکم (۳) جزاء اللّٰہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ (۱۳۱۷ھ)(مرزائیوں کی طرح روافض کا بھی رد)(۴) لمعۃ الشمعۃ لھدی شیعۃ الشنیعۃ (۱۳۱۲ھ)(تفضیل وتفسیق سے متعلق سات سوالوں کا جواب)(۵) شرح المطالب فی مبحث ابی طالب (۱۳۱۶ھ)(ایک سو کتب تفسیر وعقائد وغیرہا سے ایمان نہ لانا ثابت کیا) ان کے علاوہ رسائل اور قصائد جو سیدنا غوث الاعظم کی شان میں لکھے ہیں وہ شیعہ روافض کی تردید ہیں۔"

(تاریخی دستاویز، صفحہ ۱۱۴، شعبہ نشر واشاعت سپاہ صحابہ پاکستان)

[۱۱] اسی کتاب کے صفحہ ۶۵/ پر ضیاء الرحمٰن فاروقی دیوبندی صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت کے متعلق "فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" جیسے تعظیمی الفاظ لکھنے کے بعد روافض کی تکفیر کے متعلق "ردالرفضہ" سے اقتباس بھی نقل کیا ہے۔

[۱۲] مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی دیوبندی صاحب کی کتاب "خلافت وحکومت" کے بیک ٹائٹل (Back Title) پر لکھا ہے "سپاہ صحابہ کے کارکنوں کے مطالعہ کے لیے لازمی کتابیں" اور ان کتابوں کی فہرست میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔ "ردالرفضہ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی" فاروقی صاحب کی یہ کتاب ان کی زندگی میں ان کے اپنے ادارہ المعارف فیصل آباد کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔

شیعہ سنی بھائی بھائی کہنے والا مولانا احمد رضا کا پیرو نہیں: (مولوی نافع دیوبندی)

[۱۳] مولوی نافع دیوبندی صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا کہ: "ایک مکتبِ فکر کے مشہور بزرگ علامہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) کی خدمت میں بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ کے مقام ومرتبہ سے متعلق چند اشخاص کے درجِ ذیل نظریات پیش کیے۔"

(سیرتِ حضرت امیر معاویہ، جلد اول، صفحہ ۶۵۱، ۶۵۲، ناشر دارالکتاب غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور)

اس کے بعد مولوی نافع دیوبندی صاحب سائل کا سوال اور سیدی اعلیٰ حضرت کا جواب نقل کر کے لکھتے ہیں: "اب اگر کوئی شخص حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو اپنا بھائی کہتا ہے اور سنی شیعہ بھائی بھائی کے نعرے لگاتا ہے تو کیا وہ مولانا احمد رضا خاں کا پیرو کہلانے کے لائق ہے؟ یہ فیصلہ آپ خود کریں۔"

(سیرت حضرت امیر معاویہ، جلد اول، صفحہ ۶۵۴، ناشر دارالکتاب غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور)

مولانا احمد رضا نے سیدنا امیر معاویہ کے دفاع کا حق ادا کر دیا: (مولوی نافع دیوبندی کا اقرار)

[۱۴] مولوی نافع دیوبندی صاحب اسی کتاب میں سیدی اعلیٰ حضرت کے ۶/ رسائل (جو کہ سیدنا امیر معاویہ کے متعلق دفاع پر مشتمل ہیں) کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

"مذکورہ بالا رسائل میں علامہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مطاعن اور اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے عمدہ صفائی پیش کی گئی ہے اور پُر زور طریقہ سے دفاع کا حق ادا کیا ہے نیز ان رسائل کے مندرجات سے حضرت امیر معاویہ کے حق میں جناب علامہ بریلوی کے عمدہ نظریات صاف طور پر سامنے آ گئے اور ان کی عقیدت مندی واضح ہو گئی۔"

(سیرتِ حضرت امیر معاویہ، جلد اول، صفحہ ۶۵۵، ناشر دارالکتاب غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور)

قاضی طاہر علی الہاشمی دیوبندی کا امام احمد رضا کو "اعلیٰ حضرت" لکھنا:

[۱۵] ردِ شیعیت میں متعدد کتب لکھنے والے پروفیسر قاضی طاہر علی الہاشمی دیوبندی، سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی یوں لکھتے ہیں: "اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں۔"

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ، صفحہ ۲۷۹، ادارہ مطبوعات سلیمانی، رحمان مارکیٹ غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور)

اس کے بعد پروفیسر صاحب نے اپنی تائید میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق سیدی اعلیٰ حضرت کا عقیدہ بیان کیا ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت کی ردِ شیعیت میں خدمات کا اعتراف: (مولوی منظور نعمانی دیوبندی کے قلم سے)

[۱۶] ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ کی خصوصی اشاعت بنام "خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ" (جو بعد ازاں ماہ نامہ بینات کراچی کی خصوصی اشاعت میں بھی شائع ہوئی) کے صفحہ ۱۱۷/ پر سیدی اعلیٰ حضرت کو "**مولانا مرحوم**" اور "**فاضل بریلوی جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم**" لکھ کر ردِ شیعیت میں سیدی اعلیٰ حضرت کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے، جو کہ صفحہ ۱۱۸/ تک درج ہے اس کے مرتب مولوی منظور نعمانی دیوبندی ہیں اور اس پر انھوں نے کسی قسم کا انکار نہیں کیا، گویا سیدی اعلیٰ

حضرت کو ''مرحوم'' کہنا اور ان کی طرف سے شیعہ کا رد کرنا مولوی منظور نعمانی دیوبندی کو بھی تسلیم ہے کیوں کہ مولوی سرفراز خاں صفدر گکھڑوی کڑمنگی لکھتے ہیں کہ:

''جب کوئی مصنف کسی کا حوالہ اپنی تائید میں نقل کرتا ہے اور اس کے حصہ سے اختلاف نہیں کرتا تو وہی مصنف کا نظریہ ہوتا ہے۔''

(تفریح الخواطر، صفحہ ۹۷، مطبوعہ مکتبہ صفدریہ، نزد نصرۃ العلوم، گھنٹہ گھر گوجرانوالہ)

لہٰذا اسی اصول پر یہ بات ثابت ہوگئی۔

سیدی اعلیٰ حضرت کی ردِ شیعیت میں خدمات کا اعتراف: (قاری اظہر دیوبندی کے قلم سے)

[۱۷] اسی طرح قاری اظہر ندیم دیوبندی بھی کتاب ''کیا شیعہ مسلمان ہیں؟'' میں سیدی اعلیٰ حضرت کے متعلق یوں نقل کرتے ہیں کہ:

''امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ۔''

(کیا شیعہ مسلمان ہیں؟ صفحہ ۲۸۸ تحریک تحفظ اسلام، گلگت پاکستان، باراول ستمبر ۱۹۸۷ء)

اس کے بعد انھوں نے سیدی اعلیٰ حضرت کے فتوے کے اقتباسات نقل کیے ہیں، بنظرِ اختصار ان اقتباسات کے عناوین ملاحظہ کریں: **''صدیق و فاروق کا گستاخ کافر ہے''، ''صدیق و فاروق کی خلافت کا منکر کافر ہے''، ''جو غیر نبی کو نبی سے افضل کہے تو کافر ہے''، ''حضرت معاویہ پر طعن کرنے والا جہنمی کتا ہے''، ''روافض علی العموم کفار اور مرتدین ہیں''، ''شیعوں کی مجالس اور جلوسوں میں شرکت حرام ہے، وہ حاضری سخت ملعون ہے، اس میں شرکت موجب لعنت ہے۔''**

(کیا شیعہ مسلمان ہیں؟ صفحہ ۲۸۹، ۲۹۰، تحریک تحفظ اسلام گلگت، پاکستان باراول ستمبر ۱۹۸۷ء)

اور اس کے کسی حصہ سے انھوں نے اختلاف نہیں کیا۔ گکھڑوی صاحب کی تصریح کے مطابق قاری صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت کو امام اہلِ سُنّت اور اعلیٰ حضرت تسلیم کرلیا اور یہ بھی ان کا اپنا موقف ثابت ہوا کہ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شیعیت کا رد کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت شیعہ نہیں بلکہ شیعہ کو کافر قرار دیتے ہیں: (مولوی حق نواز جھنگوی کا اعتراف)

دیوبندی فرقہ کے مشہور خطیب اور دیوبندی تنظیم سپاہ صحابہ کے سابق امیر مولوی حق نواز جھنگوی کی تقاریر کو دیوبندی مولوی ضیاء القاسمی نے اپنے اہتمام سے اپنے مکتبہ کی طرف سے شائع کیا۔ ان

تقاریر میں ۳ مقامات پر مولوی حق نواز جھنگوی دیوبندی نے سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی طرف سے شیعہ کا رد کرنا بیان کیا ہے۔ ذیل میں وہ تین اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

[۱۸] جھنگوی صاحب اپنی پہلی تقریر میں کہتے ہیں:

''علامہ بریلوی بریلویوں کے قائد اور ان کے راہنما بلکہ بقول بریلوی علما کے مجدد، احترام کے ساتھ نام لوں گا، مولانا احمد رضا بریلوی اپنے فتویٰ (فتاویٰ) رضویہ میں اور اپنے مختصر رسالہ ''ردِ رفضہ'' میں تحریر کرتے ہیں کہ شیعہ اثناعشری بدترین کافر ہیں اور الفاظ یہ ہیں کہ شیعہ بڑا ہو یا چھوٹا مرد ہو یا عورت، شہری ہو یا دیہاتی، کوئی ہو، لاریب، لاشک قطعاً خارج از اسلام ہے اور صرف اتنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے اور لکھتے ہیں **من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر** جو شخص شیعہ کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے، یہ فتویٰ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ہے۔ جو فتویٰ (فتاویٰ) رضویہ میں موجود ہے، بلکہ احمد رضا خاں نے تو یہاں تک شیعہ سے نفرت دلائی ہے کہ ایک شخص پوچھتا ہے کہ اگر شیعہ کنویں میں داخل ہو جائے تو کنویں کا سارا پانی نکالنا ہے یا کچھ ڈول نکالنے کے بعد کنویں کا پانی پاک ہو جائے گا؟''

اس کے کچھ سطر بعد حق نواز جھنگوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت بریلوی لکھتے ہیں کہ سارا پانی نکال دے تب کنواں پاک ہوگا اور وجہ لکھتے ہیں کہ شیعہ سنی کو ہمیشہ حرام کھلانے کی کوشش کرتے ہیں اگر اس سے اور کچھ بھی نہ ہو سکا تب بھی وہ اہلِ سُنّت کے کنویں میں پیشاب ضرور کر آئے گا اس لیے اس کنویں کا سارا پانی نکال کر باہر کرنا لازمی اور ضروری ہے۔''

(۱۵/تاریخ ساز تقریریں، صفحہ ۱۵، ناشر مکتبۂ قاسمیہ، غلام محمد آباد کالونی اے بلاک فیصل آباد)

[۱۹] جھنگوی صاحب اپنی دوسری تقریر میں کہتے ہیں:

''آپ کے پڑوسی محلّہ میں مَیں نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا یہ فتویٰ سنایا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اگر کوئی شیعہ کنویں میں گھس جائے تو مولانا احمد رضا خاں بریلوی کہتے ہیں کہ کنویں کا سارا پانی نکال دو۔ وہ سارا کنواں ناپاک ہوگیا۔ آگے لکھتے ہیں کہ سب کافروں کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ کنویں میں داخل ہوں تو کنویں کا سارا پانی ہی نکالا جاتا ہے یہ کیوں چیزیں سامنے آئیں کس لیے آئیں کہ کفر سے اسلام کا تشخص قائم ہو۔ کفر الگ رہے اور اسلام الگ رہے اور اس مغالطہ میں آ کر کوئی مسلمان اپنی معاشرتی زندگی کو برباد نہ کر بیٹھے۔''

(۱۵/تاریخ ساز تقریریں، صفحہ ۲۶۶، مطبوعہ مکتبۂ قاسمیہ غلام محمد آباد کالونی اے بلاک فیصل آباد)

حق نواز جھنگوی دیوبندی کی تقریر کے اس اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت شیعہ کو

کافر اور جس کنویں میں شیعہ جائے اسے پاک کرنے کا اس لیے کہتے تھے تا کہ کفر اور اسلام الگ الگ رہیں اور مسلمان اپنی معاشرتی زندگی تباہ نہ کر بیٹھیں۔

جھنگوی صاحب اپنی تیسری تقریر میں کہتے ہیں کہ: ''احمد رضا خاں بریلوی شیعوں کو کافر کہتے ہیں۔'' (۱۵/تاریخ ساز تقریریں، صفحہ ۱۶۶، مطبوعہ مکتبۂ قاسمیہ غلام محمد آباد کالونی اے بلاک فیصل آباد)

مولوی حق نواز جھنگوی دیوبندی کی ۳/تقاریر سے پیش کیے گئے ان تین اقتباسات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت شیعہ نہیں بلکہ شیعہ کے سخت مخالف ہیں اور انھیں کافر قرار دیتے ہیں بلکہ اُن کے کفر میں شک کرنے والے کو بھی کافر کہتے ہیں۔

دیوبندی تنظیم سپاہ صحابہ کی طرف سے اعلیٰ حضرت کو ''امام'' تسلیم کرنا:

[۲۰] دیوبندی تنظیم سپاہ صحابہ پاکستان کی طرف سے ایک ۱۲/ورقی کتابچہ ''کیا شیعہ سنی بھائی بھائی ہیں؟'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس دیوبندی کتابچہ میں سیدی امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی طرف سے ردِشیعیت میں دیے گئے فتوے کا خلاصہ نقل کیا گیا ہے، فتویٰ سے پہلے اعلیٰ حضرت کا اسمِ گرامی یوں لکھا ہے ''اہم نکات تاریخی فتویٰ مولانا امام احمد رضا خاں'' (کیا شیعہ سنی بھائی بھائی ہیں؟ صفحہ ۱۱، ناشر مرکزی شعبۂ نشر واشاعت سپاہ صحابہ (جھنگ) پاکستان) اس اقتباس میں دیوبندی تنظیم سپاہ صحابہ نے اعلیٰ حضرت کو ''امام'' تسلیم کرتے ہوئے آپ کے لیے رحمۃ اللہ علیہ کے دعائیہ کلمہ کی علامت ''رح'' بھی لکھی ہے۔ اور اس کے بعد سیدی اعلیٰ حضرت کے فتوے کا خلاصہ یوں نقل کیا گیا ہے: ''۱۔ شیعہ مرد یا شیعہ عورت سے نکاح حرام اور اولاد ولدالزنا، ۲۔ شیعہ کا ذبیحہ حرام، ۳۔ شیعہ سے میل جول، سلام، کلام اشد حرام، ۴۔ جو شخص شیعہ کے ملعون عقائد سے آگاہ ہو کر پھر بھی انھیں مسلمان جانے بالاجماع تمام ائمہ دین خود کافر ہے۔'' (کیا شیعہ سنی بھائی بھائی ہیں؟ صفحہ ۱۱، ناشر مرکزی شعبۂ نشر واشاعت سپاہ صحابہ، جھنگ، پاکستان) دیوبندی تنظیم سپاہ صحابہ کے شائع کردہ کتابچہ سے پیش کیے گئے اس حوالہ سے بھی یہ بات بخوبی ثابت ہوئی کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی شیعہ نہیں بلکہ شیعہ کا رد کرنے والے تھے، الحمدللّٰہ۔ قارئینِ کرام! اس مضمون میں دیوبندی علما کے پیش کیے گئے حوالہ جات سے ''مطالعۂ بریلویت'' نامی مجموعہ دجل وفریب میں اعلیٰ حضرت کو شیعہ کہنے والے ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی کے جھوٹ کی خوب تردید ہوگئی ہے۔ اِن حوالہ جات کے بعد بھی اگر کوئی دیوبندی اعلیٰ حضرت کو شیعہ یا شیعہ نواز کہے گا تو وہ اب بھی صرف اعلیٰ حضرت کی ہی مخالفت نہیں بلکہ وہ دیوبندی علما کی مخالفت بھی کرے گا۔

اسے کہتے ہیں: **الفضل ما شَہِدت بہ الاعداء۔** ☆☆☆

ردِقادیانیت میں اولین ماہ وار رسالہ

''قہرالدیان علیٰ مرتدٍ بقادیان'' (بریلی)

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء

محمد ثاقب رضا قادری، ایم اے (علومِ اسلامیہ)
پنجاب یونی ورسٹی، مرکز الاولیاء لاہور- پاکستان

اُنیسویں صدی عیسوی کے اخیر میں ظاہر ہونے والے فتنۂ قادیانیت کے رد میں علماے اہلِ سُنّت نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا اور قریہ قریہ اس فتنہ کا مقابلہ کرتے ہوئے اس کی پھیلائی گئی گمراہی کا تدارک کیا۔ تقریر کے ساتھ ساتھ تحریری میدان میں بھی علماے اہلِ سُنّت ہی سرِفہرست نظر آتے ہیں، چناں چہ سب سے اول امامِ اہلِ سُنّت مفتی غلام دستگیر قصوری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا قادیانی کے خلاف جامع اور مبسوط فتویٰ مرتب کیا اور علماے حرمین شریفین کے تصدیقی دستخطوں سے اس کو مزین کروا کر شائع کیا۔ یہی نہیں بلکہ صحافتی میدان میں بھی ردِقادیانیت کے لیے پہلا باضابطہ ماہ وار رسالہ جاری کرنے کا اعزاز اہلِ سُنّت کے سر ہے۔ گو کہ صحافتی میدان میں اہلِ سُنّت کے کئی ایک، ہفت روزہ اور ماہ وار رسائل واخبار مثلاً دبدبۂ سکندری (رام پور)، تحفۂ حنفیہ (پٹنہ) وغیرہ جاری تھے اور ان میں قادیانیت کا ردوابطال بہ حسن وخوبی کیا جاتا تھا مگر پھر بھی ایک خاص رسالہ قادیانیت کے رد کے لیے جاری کرنے کی ضرورت بھی شدت سے محسوس کی جارہی تھی چناں چہ برادرِ اعلیٰ حضرت شہنشاہِ سخن استاذِ زمن مولانا حسن رضا خاں حسنؔ قادری برکاتی رضوی بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے رجب ۱۳۲۳ھ بمطابق یکم ستمبر ۱۹۰۵ء بروز جمعۃ المبارک بریلی شریف سے اس ماہ وار رسالہ کا اجرا کیا اور اس کی اشاعت کا اہتمام مطبع اہلِ سُنّت وجماعت سے کیا۔ رسالہ کا تاریخی نام ''قہرالدیان علیٰ مرتد بقادیان'' رکھا گیا۔ اس رسالہ کا خاص مقصد ردِقادیانیت تھا، چناں چہ مولانا رسالہ کے قواعد وضوابط میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس رسالہ کا مقصد صرف مرزا و مرزائیاں کا رد اور ان کے ان ناجائز حملوں کا دفع ہوگا جو انھوں نے عقائد اسلام وانبیاے کرام خصوصاً سیدنا عیسیٰ وحضرت مریم وخود حضور سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتیٰ کہ رب العزۃ ذوالجلال والاکرام پر کیے ہیں۔ دوسرے فرقوں کا رد اس کا موضوع نہیں۔ اس

کے لیے بعونہٖ تعالیٰ مبارک رسالہ 'تحفۂ حنفیہ' عظیم آباد نیز اہلِ سُنّت کی اور کتب کافی ووافی ہیں۔''

(قہرالدیان علیٰ مرتد بقادیان، ج ا، ص ۱۸)

اس رسالہ کے اجرا میں مولانا کو کثیر احباب کا تعاون حاصل تھا، ان میں سے ۸۵/ معاونین کی فہرست اس رسالہ کے اندرون سرِ ورق پر شائع ہوئی۔ اس رسالہ کی مدتِ اشاعت معلوم نہ ہوسکی تاہم مولانا حسن رضا اس رسالہ کے اجرا کے بعد تقریباً تین سال تک حیات رہے۔

مولانا حسن رضا خاں کی زیرِ ادارت یہ رسالہ ستمبر ۱۹۰۵ء میں جاری ہوا، جب کہ اس سے قبل ۲۶/ ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ/ ۲۴ فروری ۱۹۰۳ء میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر ماہ ایک رسالہ ردِ قادیانیت میں اپنے اہتمام سے شائع کرنے کا اعلان کیا، چناں چہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک ماہ واری رسالہ بعونہٖ تعالیٰ شائع کروں جسے دیکھنا، چھاپنا سب آسان ہو اور اس کی امداد کے لیے وہ خفیف رقم مقرر کروں کہ کسی پر گراں نہ ہو یعنی فقط ایک روپیہ سال۔ ڈاک کے ٹکٹ بھی اپنے پاس سے لگائے جائیں گے، مقصود اپنا اور اپنے بھائی مسلمانوں کا دینی نفع ہے، مسلمان ہرگز اسے قیمت رسالہ گمان نہ کریں کوئی رسالہ ایک روپے سال کو نہ سنا ہوگا بلکہ محض امدادِ رسالہ و اعانتِ طبع کی نیت سے کم از کم یہ خفیف مال ایک روپیہ سال پیشگی عنایت کریں جسے زیادہ کی ہمت ہو وہ جانے اور ان کی توفیق، یہاں سے رسالہ بعونہٖ تعالیٰ محض لوجہ اللہ ہدیہ ہوا کرے۔

پھر گزارش کرتا ہوں کہ یہ پیشگی قیمت بھیجنے میں شرعی اندیشے ہیں، طرفین سے محض امداد کی نیت ہو۔ کم سے کم دوسو (۲۰۰) درخواستیں آنے پر رسالہ جاری کردیا جائے گا، اس سے کم میں مطبع کا خرچ بھی ادا نہ ہوگا۔'' (السوء والعقاب علی المسیح الکذاب، ص ۲۔ ا، مطبوعہ مطبع اہلِ سُنّت و جماعت، بریلی)

وہابی حضرات کی طرف سے خاص ردِ قادیانیت کے لیے ماہ وار رسالہ ''مرقع قادیانی'' کا اجرا جون ۱۹۰۷ء میں ہوا۔ ہمیں مرقع قادیانی کا کوئی شمارہ تو نہ مل سکا، تاہم اہلِ سُنّت کے جلیل القدر اخبار 'اہلِ فقہ' امرت سر کے شمارہ بابت ۲۱/ جون ۱۹۰۷ء میں مرقع قادیانی کے متعلق ایک ری ویو ہمارے پیشِ نظر ہے جسے ہم یہاں نقل کررہے ہیں، چناں چہ مولانا غلام احمد اخگر امرت سری نقشبندی (مدیر اخبار اہلِ فقہ، امرت سر) لکھتے ہیں:

''اگرچہ قادیانی مشن کی مزاج پُرسی اہلِ اسلام کی طرف سے بذریعہ رسائل و اخبارات برابر ہورہی تھی لیکن درحقیقت اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ کوئی مستقل اخبار یا رسالہ مرزا کی تردید اور اس

کے فریبوں کو طشت از بام کرنے کے لیے مخصوص ہو، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دفتر اخبار اہلِ حدیث، امرت سر سے ایک ماہ وار رسالہ ''مرقع قادیانی'' جاری ہوا ہے جس کا پہلا پرچہ بابت ماہِ جون ہمارے سامنے ہے اس میں علاوہ اور چھوٹے چھوٹے نوٹوں کے ڈاکٹر ڈوئی کے متعلق ایک بسیط مضمون ہے جس میں مرزا اور مرزائیوں کی تحریرات سے ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا قادیانی نے ڈاکٹر ڈوئی کے متعلق اس کی زندگی میں تو کوئی پیش گوئی ایسی نہیں کی جس سے ثابت ہو کہ وہ مرزا کی زندگی میں مرجائے گا لیکن اب جھوٹ لکھ رہے ہیں کہ پیش گوئی کی تھی۔

ڈاک خانہ کے قواعد کے رُو سے ضروری ہے کہ رسالہ میں خبریں بھی ہوں اس رسالہ میں خبروں کے ضمن میں بھی مرزائی اخبارات درج کیے گئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مرزا کی بیخ کنی کے لیے مخصوص ہے۔ رسالہ کی قیمت سالانہ عوام سے مع محصول ڈاک ایک ایک روپیہ ہے۔''

پس بخوبی واضح ہوا کہ خاص قادیانیت کے رد میں اولین ماہ وار رسالہ جاری کرنے کا اعزاز اُستاذِ زمن مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ اللہ القوی کے سر ہے۔

رسالہ 'قہرالدیان علیٰ مرتد بقادیان' اعلیٰ حضرت بریلوی کی تصنیف نہیں:

بعض محققین نے اسے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کی تحریر شمار کیا ہے؛ جیسا کہ حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۳۴/ پر ہے، پھر صفحہ ۱۴۲ پر ردِ قادیانیت کے حوالہ سے اس رسالہ کو تصانیفِ اعلیٰ حضرت میں شمار کیا گیا ہے۔ 'المجمل المعدد لتالیفات المجدد' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور کے صفحہ ۵۷/ پر اسے اعلیٰ حضرت کی تصنیف شمار کیا گیا اور اس کا نمبر شمار ۲۲۴/ درج ہے۔ علاوہ ازیں یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ (مخرجہ) کی جلد ۱۵/ اور عقیدۂ ختم نبوت کی دوسری جلد میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف کے طور پر شامل ہے۔

ہم پیش تر بھی اپنے مضمون ''مولانا حسن رضا کی تصنیفی خدمات'' (جو کہ پاک و ہند کے کثیر رسائل میں شائع ہوا) اور 'رسائل حسن' کے مقدمہ میں ذکر کرچکے ہیں کہ اس رسالہ کو فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تصنیف کے طور پر شامل کرنا نادرست ہے کیوں کہ یہ کسی تصنیف کا نام نہیں بلکہ ردّ قادیانیت میں مولانا حسن رضا خاں کی طرف سے جاری کردہ ماہ نامہ ہے۔ چناں چہ رسالہ کے سرِ ورق پر یہ عبارت جلی حروف میں تحریر ہے:

''الحمدللہ! مبارک ماہ واری رسالہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالف پر قہرِ الٰہی ڈھانے والا، عیسیٰ مسیح کلمۃ اللہ کے دشمن پر تیغ عذاب چمکانے والا، جھوٹے مسیح مرزا قادیانی اور

اس کے الہام و وحی شیطانی کی بنیاد گرانے والا، محمدی فتح کے پھریرے اڑاتا، اسلامی شان کے نشان چمکاتا۔"

پھر رسالہ کا نام "قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان" تحریر ہے اور اس کے دائیں بائیں لفظ "ماہ وار" تحریر ہے۔ نیز تحریر ہے :

"زیرِ ادارت: ماحی بدعت حامی سنت مولانا مولوی محمد حسن رضا خاں سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی سلمہٗ"

مزید یہ کہ رسالہ کے قواعد وضوابط میں تحریر ہے:

"(ا) یہ رسالہ باذنہٖ تعالیٰ ہر قمری مہینے میں ایک بار شائع ہوگا۔"

رسالہ کے آخر میں تحریر ہے:

"فصلِ دوم: علی مرتضیٰ وامام حسن وامام حسین وفاطمہ زہرا اور خود محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم وسلم پر قادیانی کی گالیاں۔ باقی آئندہ" لہٰذا اس رسالہ کو اعلیٰ حضرت کی تصنیف قرار دینا درست نہیں۔ (اداریہ: رسالہ قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان، شمارہ اول)

مولانا حسن رضا خاں اداریہ میں رسالہ کا سببِ اجرا تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ عزوجل اپنے دین کا ناصر، اپنے بندوں کا کفیل، **وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل**، رسالہ ماہ واری ردِ قادیانی کی اِبتدا حکمتِ الٰہیہ نے اس وقت پر رکھی تھی کہ یہاں دو چار جاہلانِ محض اس کے مرید ہو آئے، مسلمانوں نے حسبِ حکم شرع شریف اُن سے میل جول ارتباط سلام کلام اختلاط یک لخت ترک کردیا۔ دین میں فساد مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے والوں نے یہ **العذاب الادنی دون العذاب الکبر** چکھا۔

مسلمانوں پر حملے میں اپنی چلتی کوئی گئی نہ کی۔ بس نہ چلا تو متواتر عرضیاں دیں کہ ہمارا پانی بند ہے، ہم پر زندگی تلخ ہے، بیدار مغز حکومت ایسی لغویات کو کب سنتی، ہر بار جواب ملا کہ مذہبی امور میں دست اندازی نہ ہوگی۔ سائلان آپ اپنا انتظام کریں۔ آخر بحکم آنکہ ع: دست بگیرہ سر شمشیر تیز...... ایک بے قید پرچے روہیل کھنڈ گزٹ میں اشتہار چھاپا کہ عمائد شہر علمائے طرفین سے مناظرہ کرائیں اور وہ بھی اس شرط پر کہ دونوں طرف سے وہ خود ہی منتظم رہیں تو ہمیں اطلاع دیں کہ ہم بھی اپنے مرزائی ملانوں کو بلالیں اور اس میں علمائے اہلِ سُنّت کی شان میں کوئی دقیقہ بدزبانی وا کاذیب بہتانی وکلماتِ شیطانی کا اٹھانہ رکھا۔ یہ حرکت نہ فقط ان بے علم، بے فہم مرزائیوں بلکہ بعونہٖ تعالیٰ خود مرزا کے حق میں **کالباعث**

عن حتفه بظلفه سے کم نہ تھی۔

بست بازو بجہل میفگند   پنجہ با مرد آہنیں چنگال

مگر ازانجا کہ **عَسٰی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡئًا وَّہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ**

ع   خدا شرے برانگیز د کہ خیر ما وران باشد

یہ ایک غیبی تحریک خیر ہوگئی جس نے اس ارادۂ رسالہ کی سلسلہ جنبانی فرمادی۔ اشتہار کا جواب اشتہاروں میں دیا گیا۔ مناظرہ کے لیے ابکار انکار مرزا قادیانی کو پیغام دیا۔ اس کے ہول ناک اقوال ادعائے رسالت ونبوت وافضلیت من الانبیا وغیرہا کفر وضلال کا خاکہ اڑایا۔ گالیوں کے جواب میں گالی سے قطعی احتراز کیا۔ صرف اتنا دکھایا کہ تمہاری گالی آج کی نرالی نہیں، قادیانی تو ہمیشہ سے اللہ ورسول وانبیائے سابقین وائمۂ دین سب کو گالیاں سناتا رہا ہے۔ ہر عبارت اس کی کتابوں سے بحوالہ صفحہ مذکور ہوئی۔

مضمون کثیر تھا، متعدد پرچوں میں اشاعت منظور ہوئی۔ 'ہدایت نوری بجواب اطلاعِ ضروری' نام رکھا گیا۔ اس میں دعوتِ مناظرہ، شرائط مناظرہ، طریق مناظرہ، مبادیِ مناظرہ سب کچھ موجود ہے۔ اس مختصر تحریر نے اپنی سلک منیر میں متعدد سلاسل لیے سلسلۂ دشنامہائے قادیانی برحضرت ربانی ورسولانِ رحمانی ومحبوبانِ یزدانی، سلسلۂ کفریات وضلالاتِ قادیانی، سلسلۂ تناقضات وتہافتات قادیانی، سلسلۂ دجالی وتلبیساتِ قادیانی، سلسلۂ جہالات وبطالاتِ قادیانی، سلسلۂ تاصیلات سلسلۂ سوالات اور واقعی وقتی ضرورات مختلف مضامین پر کلام کی مقتضی ہوتی ہیں۔ اور اس کے اکثر رسائل الٹ پھر کر انھیں ڈھاک کے تین پات کے حامل؛ لہٰذا ہر رسالے کے جداگانہ رد سے انھیں سلاسل کا انتظام احسن واولیٰ، اب بعونہٖ تعالیٰ اسی ہدایتِ نوری سے ابتدائے رسالہ ہے اور مولیٰ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے۔

اس کے بعد وقتاً فوقتاً رسائل ومضامین حسبِ حاجت اندراج گزیں مناسب کہ جو کلام جس سلسلے کے متعلق آتا جائے بہ شمار سلسلہ اسی کی سلک میں انسلاک پائے، جو نیا کلام ان سلاسل سے جدا شروع ہو اس کے لیے تازہ سلسلہ موضوع ہو۔ اعتراضات کے تازیانے جن کا شمار خدا جانے اول تا آخر ایک سلسلے میں منضود اور ہر اعتراض حاشیہ پر تازیانہ یا اس کی علامت 'ت' لکھ کر جدا معدود مسلمانوں سے تو بفضلہٖ تعالیٰ یقینی امید مدد وموافقت ہے۔

مرزائی بھی اگر تعصب چھوڑ کر خوفِ خدا وروزِ جزا سامنے رکھ کر دیکھیں تو بعونہٖ تعالیٰ امید ہدایت ہے۔"

قواعد وضوابط رسالہ قہرالدیان:

صفحہ نمبر ۱۸؍ پر رسالہ کے قواعد وضوابط تحریر ہیں جو کہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) یہ رسالہ باذنہٖ تعالیٰ ہر قمری مہینے میں ایک بار شائع ہوگا۔

(۲) اس کی امداد کے لیے صرف ایک روپیہ سالانہ پیشگی عام اشخاص سے مطلوب ہے۔ محصولی ڈاک بھی اپنے ہی پاس سے دیا جائے گا، اور دو روپے سال سے اعانت فرمانے والے ''معاون رسالہ'' پانچ روپے سالانہ عطا فرمانے والے ''معاون کبیر'' دس روپے سال سے کرم فرمانے والے حضرات ''معاون اکبر'' لکھے جائیں گے۔

(۳) جو صاحب دس حضرات سے سالانہ اِمداد کی رقم پیشگی بھجوائیں گے وہ خود بلا امداد مالی سال بھر تک رسالہ پائیں گے اور جتنی برس وہ زرِامداد آتا رہے گا انھیں بلاشرط امداد ذاتی رسالہ پہنچا کرے گا۔

(۴) فی الحال حجم رسالہ، اوراقِ حول کے علاوہ ۱۶؍ صفحہ رکھا گیا ہے۔ آئندہ اگر برادرانِ دینی دوچند حجم کر دینے کی خواہش فرمائیں گے ہر قسم امداد میں صرف ایک روپیہ سالانہ کا اضافہ ہوگا۔

(۵) اس رسالہ کا مقصد صرف مرزا و مرزائیان کا رد اور ان کے ان ناجائز حملوں کا دفاع ہوگا، جو انھوں نے عقائد اسلام وانبیاے کرام خصوصاً سیدنا عیسیٰ وحضرت مریم وخود حضور سید الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام حتیٰ کہ رب العزۃ ذوالجلال والاکرام پر کیے ہیں۔ دوسرے فرقوں کا رد اس کا موضوع نہیں۔ اس کے لیے بعونہٖ تعالیٰ مبارک رسالہ تحفۂ حنفیہ عظیم آباد نیز اہلِ سُنّت کی اور کتب کافی ووافی ہیں۔

(۶) یہ رسالہ کہ بطورِ بیع وشرا شائع ہی نہ ہوا بلکہ اپنے بھائیوں سے محض بہ قصد نصرتِ دین، امدادِ رسالہ و اعانت طبع کے لیے وہ رقوم مطلوب ہیں، اور رسالہ بھی اسی نیت اور دین کی حمایت کے لیے انھیں نذر ہے۔ جن صاحبوں کے پاس بلاطلب جائے اوّل پرچہ پر انھیں اطلاع فرما دینی چاہیے کہ امداد منظور ہے یا نہیں، بحالت سکوت قبول امداد متصور ہوگا۔

(۷) اس کا آغاز سال رجب ۱۳۲۳ھ سے ہوا جو حضرات وسطِ سال میں شرکاے امداد واعانت ہوں گے؛ حتی الامکان شروع سال سے پرچے ان کی خدمت میں حاضر کیے جائیں گے کہ کلام اپنے سلسلے سے انھیں پہنچے۔

(۸) اہلِ علم جو مضمون عطا فرمائیں گے بحال معمولی امدادِ رسالہ ضرور ان کے نام سے درج ہوگا اور بلا امداد اندراج کا اختیار رہے گا؛ مگر بہر حال لازم ہوگا کہ مضمون حدود مقصود رسالہ کے اندر اور مخالفتِ مذہب وشرع سے باہر ہو یا ہم (کو) اجازت دی جائے کہ جو لفظ یا مضمون ہم ایسا

پائیں حذف یا تبدیل کر دیں مضمون صاف لکھا ہوا مع نام ونشان صاحبِ مضمون ہونا ضرور ہے۔

(۹) مضمونِ طویل متفرق پرچوں میں پورا ہوگا۔ اگر کوئی صاحب دفعۃً اس کی اشاعت چاہیں تو رسالے کے معمولی حجم سے جس قدر بڑھے گا اس کی اجرت بہ حساب فی جز عطا کرنی ہوگی اور جتنا بشرطِ گنجائش حجم معمولی کے ضمن میں آسکے گا اس کی کچھ اجرت نہیں۔ جس مہینے میں کوئی مضمون آئے اگر اس کے پرچہ میں گنجائش نہ ہو پرچہ آئندہ سے اندراج پائے گا۔

(۱۰) خط کتابت بصیغۂ پیڈ اور جواب طلب امر کے لیے ٹکٹ یا کارڈ جوابی ہو۔ تمام مراسلات وارسالِ زر اس نشان سے ہوں:

بریلی روہیل کھنڈ مطبع اہلِ سُنّت وجماعت بنام فقیر مشتہر

المشتہر: محمد حسن رضا خاں قادری برکاتی - کان اللّٰہ لہ فی الحاضر والآتی - آمین

اسماے گرامی معاونین رسالہ

رسالہ کے اندرونی صفحہ پر معاونین کی فہرست دی گئی ہے جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں تاکہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے ان مجاہدین کی یادوں کے نقوش اذہان میں تازہ ہو جائیں:

نمبر	اسماے امداد کنندگان	نمبر	اسماے امداد کنندگان
۱	جناب سیٹھ حاجی قاسم صاحب سورتی	۲	جناب منشی خادم حسین صاحب جرول
۳	جناب مولانا قاضی عبدالوحید صاحب، پٹنہ	۴	جناب صاحبزادہ مولانا بشیرالدین خان صاحب
۵	جناب قاضی معین الدین صاحب	۶	جناب شیخ علی احمد صاحب، مارہرہ مطہرہ
۷	جناب غلام محی الدین صاحب، شیر پور	۸	جناب منشی رشید احمد صاحب، میرٹھ
۹	جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب، ضلع میمن سنگھ	۱۰	جناب غریب اللہ صاحب، برڈڈ
۱۱	جناب منشی خلیل الدین صاحب، رام پور	۱۲	جناب عاشق یار خان صاحب، آنولہ
۱۳	جناب مولوی کریم بخش صاحب، گلاوٹی	۱۴	جناب شیخ جلال الدین صاحب، ضلع بجنور
۱۵	جناب حکیم خلیل الرحمٰن خان صاحب، پیلی بھیت	۱۶	جناب شاہد علی خان صاحب، ضلع بدایوں
۱۷	جناب قاضی ذکی الدین صاحب، پیلی بھیت	۱۸	جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب، رام پور
۱۹	جناب منشی توصیف حسین صاحب، سوہارہ	۲۰	جناب منشی مختار احمد صاحب
۲۱	جناب منشی محمد عباس خان صاحب	۲۲	جناب منشی غضنفر حسین صاحب، سوہارہ
۲۳	جناب منشی عین الحق صاحب، پوکھریرا	۲۴	جناب سید مہدی حسین میاں صاحب، مارہرہ مطہرہ
۲۵	جناب سید ابراہیم میاں صاحب، مارہرہ مطہرہ	۲۶	حضرت سید برکات حسن میاں صاحب، مارہرہ مطہرہ
۲۷	حضرت خادم حسین میاں صاحب، مارہرہ مطہرہ	۲۸	جناب مولوی الطاف علی صاحب
۲۹	جناب منشی محمد اکرام علی صاحب، پرانچی	۳۰	جناب نواب عبداللہ خان صاحب، رام پور
۳۱	جناب حکیم محمد حبیب علی صاحب، اٹاوہ	۳۲	جناب مولوی حبیب حیدر صاحب، کاکوری

۳۳ جناب حافظ روح اللہ خان صاحب، اٹاوہ
۳۴ جناب میر مظہر حسین صاحب، اٹاوہ
۳۵ جناب سید موسیٰ رضا خان صاحب، اٹاوہ
۳۶ جناب مولوی محمد اسحٰق صاحب، اٹاوہ
۳۷ جناب مولوی ذاکر علی صاحب، اٹاوہ
۳۸ جناب منشی عنایت اللہ خان صاحب، اٹاوہ
۳۹ جناب منشی محمد خان صاحب، اٹاوہ
۴۰ جناب حکیم محمد احسن صاحب، اٹاوہ
۴۱ جناب حکیم محبّ علی صاحب مین پوری
۴۲ جناب فتح محمد خان صاحب، ضلع گوالیار
۴۳ جناب مولوی احمد میاں صاحب، بمبئی
۴۴ جناب شیخ ممتاز احمد صاحب، بمبئی
۴۵ جناب سیٹھ طیب صاحب، بمبئی
۴۶ جناب شیخ...... خیرات علی صاحب، بمبئی
۴۷ جناب سیٹھ عبدالقادر صاحب، بمبئی
۴۸ جناب سیٹھ دادا جی صاحب، بمبئی
۴۹ جناب سیٹھ منشی الہ بخش صاحب، بمبئی
۵۰ جناب حاجی محمد عثمان صاحب، بمبئی
۵۱ جناب منشی سید فقیر محمد صاحب، بمبئی
۵۲ جناب منشی محمد دین صاحب، میرٹھ
۵۳ جناب غلام محمد صاحب، موضع برکی
۵۴ جناب منشی جمال الدین صاحب، ضلع لاہور
۵۵ جناب منشی رستم علی صاحب، لاہور
۵۶ جناب منشی لال شاہ صاحب، لاہور
۵۷ جناب منشی فضل الٰہی صاحب، علاقہ چونیاں
۵۸ جناب حکیم محمد خان صاحب، علاقہ چونیاں
۵۹ جناب قاضی عبدالرزاق صاحب، علاقہ چونیاں
۶۰ جناب مولوی غلام چشتی صاحب، رام پور
۶۱ جناب مولوی عبداللطیف صاحب، پیلی بھیت
۶۲ جناب منشی عنایت علی خان صاحب، ملہر
۶۳ جناب شیخ فلاح الدین صاحب، ملہر
۶۴ جناب ہادی یار خان صاحب، ضلع مین پوری
۶۵ جناب وحید محمد صاحب، ضلع مین پوری
۶۶ جناب منشی ہدایت علی خان صاحب، ضلع مین پوری
۶۷ جناب منشی علاء الدین صاحب، ضلع مین پوری
۶۸ جناب منشی غلام رسول خان صاحب، ہوشیار پور
۶۹ جناب منشی چودھری رحمت خان صاحب
۷۰ جناب منشی چودھری مہدی خان صاحب
۷۱ جناب منشی چودھری غلام جیلانی صاحب
۷۲ جناب طاہر محمد عثمان صاحب
۷۳ جناب قاضی احمد اللہ خان صاحب، ضلع گوداوری
۷۴ جناب محمد قاسم صاحب، ضلع گوداوری
۷۵ جناب قاضی عبدالخالق صاحب، بلوچستان
۷۶ جناب الہ دیا صاحب، پیلی بھیت
۷۷ جناب منشی فضل احمد صاحب، امروہہ
۷۸ جناب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب
۷۹ جناب منشی لعل خان صاحب، کلکتہ

نوٹ: کل معاونینِ رسالہ کے اسما ۸۵ تحریر ہیں، نسخہ بعض مقامات سے شکستہ ہونے کے سبب چھ نام پڑھے نہ جاسکے۔

مذکورہ بالا فہرست پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ ''قہر الدیان'' کا حلقۂ قارئین و معاونین ہندوستان کے دُور دراز چھوٹے بڑے علاقوں تک وسیع تھا جیسا کہ کلکتہ، لاہور، چونیاں اور بلوچستان کے ناموں سے ظاہر ہو رہا ہے۔

☆☆☆

خلیفۂ اعلیٰ حضرت

ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی: آئینۂ ایام

نبیرۂ ملک العلما پروفیسر طارق مختار
شعبۂ عربی، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

۱۳۰۳ھ : ولادت ۱۰؍محرم الحرام

۱۳۰۷ھ : بسم اللہ خوانی

۱۳۱۲ھ : مدرسہ غوثیہ حنفیہ، موضع بین، پٹنہ میں داخلہ لیا اور متوسطات کی تعلیم حاصل کی۔

۱۳۲۰ھ : ۲۵؍جمادی الآخر کو مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں داخلہ لیا اور حضرت محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ) سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

۱۳۲۰ھ : مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی، کان پور میں حاضر ہوئے، اسی دوران اس ادارے کے علاوہ احسن المدارس، کان پور اور ایک دار العلوم کے اہلِ علم سے بھی استفادہ کرتے رہے پھر پیلی بھیت آ گئے۔

۱۳۲۱ھ : مدرسہ مصباح التہذیب، بانس بریلی میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے۔

۱۳۲۱ھ : امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضری۔

۱۳۲۲ھ : ملک العلما کی خواہش اور کوشش سے بہ دست اعلیٰ حضرت دار العلوم منظرِ اسلام کا قیام۔

۱۳۲۲ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں بخاری شریف کا درس اور فتویٰ نویسی کی مشق کا آغاز

۱۳۲۲ھ : ۸؍رمضان المبارک کو پہلا فتویٰ تحریر فرمایا۔

۱۳۲۳ھ : الحسام المسلول علی منکر علم الرسول (عقائد و مناظرہ) کی تصنیف۔

۱۳۲۳ھ : مواہب رواح القدس لکشف حکم العرس (فقہ) تصنیف

۱۳۲۳ھ : ظفر الدین الجید (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۴ھ : شرح کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ (سیرت) کی تصنیف کا آغاز

۱۳۲۴ھ : مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (عقائد) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : دستار فضیلت اور سند درس و افتا سے سرفرازی

۱۳۲۵ھ : وسط شعبان المعظم میں اعلیٰ حضرت نے اپنی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور 'فاضلِ بہار' کا لقب عطا کیا۔

۱۳۲۵ھ : التعلیق علی القدوری (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ المساجد (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : دار العلوم منظرِ اسلام میں درس و افتا کا آغاز

۱۳۲۶ھ : بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : شکست سفاہت (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۷ھ : المجمل المعدد لتالیفات المجدد (تاریخ) کی تصنیف

۱۳۲۷ھ : ظفر الدین الطیب (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۸ھ : سحم الکنزہ علی الکلاب الممطرہ (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۸ھ : شوال میں اعلیٰ حضرت کے حکم پر انجمن نعمانیہ ہند، لاہور تشریف لے گئے۔

۱۳۲۹ھ : سال کے آغاز میں معززینِ شملہ کی پر اصرار طلب پر شملہ تشریف لے گئے۔

۱۳۲۹ھ : النیراس لدفع ظلام المنہاس (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ایما پر مدرسہ حنفیہ ضلع آرہ (بہار) تشریف لے گئے۔

۱۳۳۰ھ : الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت (توقیت وہیئت) کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : التحقیق المبین لکلمات التوبین کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : اطیب الاکسیر فی علم التکسیر کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : سال کے اخیر میں سیشن جج مسٹر سید نور الہدیٰ کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔

۱۳۳۱ھ : التعلیق علی شروح المغنی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۲ھ : رفع الخلاف من بین الاحناف (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : خیر السلوک فی نسب الملوک (تاریخ وانساب) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : نزول السکینہ باسانید الاجازات المتینہ (حدیث) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : جواہر البیان فی ترجمہ خیرات الحسان (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۴ھ : خانقاہِ کبیریہ شہسرام کے سجادہ نشین شاہ ملیح الدین صاحب کی فرمائش پر صدر مدرس کی حیثیت سے شہسرام تشریف لے گئے۔

۱۳۳۴ھ : کشف الستور عن مناظرۃ رام پور کی تصنیف

۱۳۳۴ھ : گنجینۂ مناظرہ (کلکتہ کے مناظرے کی روداد) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : تقریب (منطق) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : تذہیب (فلسفہ) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : وافیہ (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : بدر السلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (توقیت) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : مؤذن الاوقات (دس شہروں کے اوقاتِ صوم وصلوٰۃ کی تخریج)

۱۳۳۵ھ : عافیہ (صرف) کی تصنیف

۱۳۳۶ھ : تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (کھڑکی کا فیصلہ، فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : نظم المبانی فی حروف المعانی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : الاکسیر فی علم التکسیر کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : صحیح البہاری کی تصنیف کا آغاز

۱۳۳۸ھ : سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون (اخلاق) کی تصنیف

۱۳۳۸ھ : ندوۃ العلما (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۸ھ : جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، حکومت کے زیر انتظام آ گیا تو ذمہ داروں کی طلب پر آپ سینئر مدرس کی حیثیت سے پٹنہ تشریف لے گئے۔

۱۳۳۹ھ : ہادی الہداۃ الترک الموالاۃ (سیاست) کی تصنیف

۱۳۴۰ھ : توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (ہیئت) کی تصنیف

۱۳۴۱ھ : اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (تاریخ) کی تصنیف

۱۳۴۳ھ : نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (فقہ) کی تصنیف

۱۳۴۴ھ : الافادات الرضویہ (اصولِ حدیث) کی تصنیف

۱۳۴۵ھ : جامع الرضوی المعروف بہ صحیح الہدیٰ جلد اول (کتاب العقائد) کی تصنیف

۱۳۴۷ھ : دل چسپ مکالمہ (نصائح) کی تصنیف

۱۳۴۷ھ	:	جامع الرضوی (جلد دوم) کے چاروں حصوں کی تکمیل ہوئی۔
۱۳۴۸ھ	:	تسہیل الوصول الی علم الاصول (فقہ واصول) کی تصنیف
۱۳۴۹ھ	:	نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (فقہ)
۱۳۵۳ھ	:	تنویر السراج فی ذکر المعراج (سیرت) کی تصنیف
۱۳۵۴ھ	:	نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (فقہ) کی تصنیف
۱۳۵۷ھ	:	الانوار اللامعہ من الشّمس البازغہ (فلسفہ) کی تصنیف
۱۳۵۷ھ	:	الفوائد التامہ فی اجوبتہ الامور العامہ (عقائد وکلام) کی تصنیف
۱۳۵۷ھ	:	جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (فقہ) کی تصنیف
۱۳۵۸ھ	:	مشرقی اور سمتِ قبلہ (ہیئت) کی تصنیف
۱۳۶۰ھ	:	مولودِ رضوی (سیرت) کی تصنیف [میلادِ رضوی کے نام سے مطبوع ہے۔]
۱۳۶۵ھ	:	تحفۃ العظما فی فضل العلما (فضائل) کی تصنیف
۱۳۶۶ھ	:	سد الفرار المہاجری بہار (نصائح/ سیاست) کی تصنیف
۱۳۶۷ھ	:	چودہویں صدی کے مجدد (مناقب) کی تصنیف
۱۳۶۸ھ	:	حیاتِ اعلیٰ حضرت، چار جلد (مناقب) کی تصنیف
۱۹۴۸ء	:	مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہوئے۔
۱۹۵۰ء	:	مدرسہ شمس الہدیٰ سے ریٹائرمنٹ لیا۔اس کے بعد ظفر منزل، پٹنہ میں مخصوص افراد کو درس دیتے اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے۔
۱۳۷۰ھ	:	عید کا چاند (فقہ) کی تصنیف
۱۳۷۱ھ	:	تنویر المصباح للقیام عندی علی الفلاح (فقہ) کی تصنیف
۱۳۷۱ھ	:	شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق متین گھاٹ، پٹنہ کی استدعا پر کٹیہار (بہار) تشریف لے گئے جہاں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا۔
۱۳۸۰ھ	:	کٹیہار سے ظفر منزل تشریف لائے۔
۱۳۸۲ھ	:	وصال سے پہلے ’’النور الضیا فی سلاسل الاولیاء‘‘ تصنیف فرمایا۔
۱۳۸۲ھ	:	۱۹؍جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ/ ۱۸؍نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر بالجہر کرتے ہوئے رب کریم کے حضور حاضر ہوگئے۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور متعلقین ومعتقدین کو ان کے فیوض وبرکات سے بہرہ مند فرمائے۔آمین

☆☆☆

مشرقی اور سمت قبلہ: ایک تجزیاتی مطالعہ

انوار محمد عظیم آبادی، پٹنہ

امام احمد رضا محدث بریلوی ماہرِ علوم وفنون تھے۔آپ کے تلامذہ وخلفا بھی چندے آفتاب چندے ماہ تاب تھے۔ ہر ایک کسی علم یا فن میں یکتائے روزگار تھا۔حضرت ملک العلما نے بارگاہِ رضا سے خصوصیت سے علومِ عقلیہ ہیئت، فلکیات، زیجات، جبر ومقابلہ، علم الارضیات میں فیض حاصل کیا اور ان میں مستقل کتابیں تصنیف کیں۔ذیل کا مقالہ اسی نوعیت کا ہے جس میں ملک العلما کا تفرد ظاہر ہوتا ہے-مرتب

چودھویں صدی ہجری کی والا مرتبت علمی شخصیتوں میں حضرت مولانا ظفرالدین قادری رضوی کا نام یقیناً رسمی تعارف کی ضرورتوں سے بے نیاز ہے۔وہ ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء میں اس عالم رنگ و بو میں آئے اور ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔’’ملک العلما‘‘ اور ’’فاضل بہار‘‘ ان کے مشہور القاب ہیں اور بلاشبہہ ایسے القاب عالیہ کی قبا، ان کی علمی قد وقامت پر پوری طرح زیب دیتی ہے۔

حضرت ملک العلما کی تصنیفی زندگی کا آغاز کم وبیش بیس سال کی عمر سے ہوتا ہے اور عام اندازے کے بموجب آئندہ پچپن برسوں تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو نے اپنے مقالہ[۱] میں تالیفات وتصنیفاتِ ملک العلما کی جو تعارفی فہرست دی ہے اس میں نمبر ۲۳؍ کے تحت ’’مشرقی کا غلط مسلک‘‘ اور نمبر ۵۷؍ کے تحت ’’مشرقی اور سمتِ قبلہ‘‘ کا ذکر آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ رسالہ ’’مشرقی کا غلط مسلک‘‘ کی تاریخ تصنیف ۱۱؍شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ[۲] روز سہ شنبہ مطابق ۲۶؍ستمبر ۱۹۳۹ء ہے۔ یہ رسالہ کتابی شکل میں ’’ابھی تک‘‘ شائع نہیں ہوا ہے۔’’ابھی تک‘‘ سے مقالہ نگار کی مراد ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء تک ہے کیوں کہ مقام کے آخر میں نام کے ساتھ یہی سن تحریر درج ہے۔مزید برآں ’’مشرقی اور سمتِ قبلہ‘‘ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مذکورہ رسالہ کا اختصار ہے جسے سید سلیمان ندوی نے اہمیت کی بنا پر رسالہ ’’معارف‘‘ اعظم گڑھ ۱۹۴۰ء کے دو شماروں میں شائع کیا۔ملک العلما کی تصانیف کا تذکرہ کرتے ہوئے بعض دوسرے مقالہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امرتسر کے ’’الفقیہ‘‘ اور ’’ضیاء

الاسلام‘‘ اور پھلواری شریف کے ’’نقیب‘‘ میں بھی مذکورہ رسالہ کی اشاعت ہوئی تھی مگر ہمیں اس سلسلہ کی مزید کوئی تحقیق یا تفصیل میسر نہیں البتہ رسالہ ’’معارف‘‘ کے متعلقہ اوراق کی زیراکس کاپی اس وقت ہمارے مطالعہ کی میز پر موجود ہے اور اسی کی روشنی میں ملک العلما کے اس علمی عطیہ پر ہمیں تھوڑی سی گفتگو مقصود ہے۔

’’مشرقی اور سمتِ قبلہ‘‘ کے عنوان سے ’’مولانا محمد ظفرالدین قادری رضوی استاذ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ‘‘ کا یہ مقالہ رسالہ ’’معارف‘‘ اعظم گڑھ جلد ۴۵، شمارہ ۱؍۲؍ بابت جنوری، فروری ۱۹۴۰ء مطابق ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ میں بالاقساط طبع ہوا ہے۔ پہلی قسط کا متن رسالہ کے صفحہ ۲۵؍ سے صفحہ ۳۹ تک اور دوسری قسط کا متن صفحہ ۱۲۳؍ سے ۱۳۸؍ تک پھیلا ہوا ہے۔ گویا بہ حیثیت مجموعی یہ مقالہ، مذکورہ رسالہ کے ۳۱؍ صفحات کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ اصلاً ایک جوابی مقالہ ہے اور عنوان میں لفظ ’’مشرقی‘‘ سے ’’خاکسار تحریک‘‘ کے بانی جناب عنایت اللہ خاں المشرقی کی طرف اشارہ ہے۔ حسنِ اتفاق یہ کہ عنایت اللہ خاں المشرقی اور مولانا محمد ظفرالدین قادری دونوں ہی اپنے وقت کے بالکل ہم عمر مشاہیر گزرے ہیں، اس طرح کہ المشرقی کا سالِ ولادت ۱۸۸۸ء/ ۰۶-۱۳۰۵ھ اور سالِ وفات ۱۹۶۳ء/ ۸۳-۱۳۸۲ھ ہے۔[۳] ملک العلما نے درست لکھا ہے کہ:

’’علمی حلقہ میں......ان......کا تعارف سب سے پہلے ان کی تصنیف ’’تذکرہ‘‘ کے ذریعہ ہوا تھا۔‘‘[۴]

جس کی اشاعت کا سال ۱۹۲۴ء/ ۴۳-۱۳۴۲ھ ہے۔ المشرقی کے ’’تذکرے‘‘ اور ان کی ذہنیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک معروف ناقد نے لکھا ہے کہ:

’’تذکرہ...... میں شدید جارحانہ اسلامی سوسائٹی کا نظریہ زندہ کیا گیا ہے...... المشرقی کا ذہن مغربی ماحول کا پرورش یافتہ تھا جس میں علومِ اسلامیہ سے اختلاف کا بڑا میلان نظر آتا ہے...... اور...... یہ بات کھٹکتی ہے کہ سرسید کی طرح وہ بھی مسلمان علما کی صدیوں کی علمی ریاضت سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کے خیالات میں اسلاف کے عقائد و روایات کے بارے میں تنقیص بھی ہے اور تشکیک بھی۔‘‘[۵]

اور درحقیقت اس مخصوص ماحول کے زیر اثر، جو ’’تحریک ترک موالات‘‘ کے ناکام ہو کر بکھر جانے کی صورت میں پیدا ہوا تھا، عنایت اللہ مشرقی کی فکر کو بننے اور اپنے انداز سے پنپنے کا جو موقع ملا، اسی کا ایک نتیجہ، ان کے رسالہ ’’مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹‘‘ کی صورت میں سامنے آیا، جس میں المشرقی کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ ہندوستان کی تمام مسجدوں کا سمتِ قبلہ غلط ہے۔ عنایت اللہ خاں مشرقی کا یہی دعویٰ

ہے، جس کا ملک العلما کے اس مقالہ میں بہت ہی علمی اور سنجیدہ انداز سے کامل ابطال کیا گیا ہے۔

یہاں اس مقالہ کی ’’معارف‘‘ میں اشاعت کے تعلق سے، ایک بات اور کہ سید سلیمان ندوی نے اس مضمون کو صرف اس کی موضوعی اور علمی اہمیت کی بنا پر ہی اپنے رسالہ میں جگہ نہیں دی تھی بلکہ قرین غالب ہے کہ اس کی دو وجہ اور بھی رہی ہوگی۔ ایک وجہ تو یہ کہ جس موضوع پر المشرقی کے قلم سے وار کیا گیا تھا، اس موضوع کے مالۂ اور ماعلیہ پر اس وقت کے متحدہ ہندوستان میں ملک العلما سے زیادہ عبور رکھنے والی کوئی دوسری علمی شخصیت شاید کہ تھی ہی نہیں اور دوسری وجہ یہ کہ اس موضوع پر المشرقی نے جو کچھ لکھا تھا، اس کے مسکت جواب سے بالواسطہ طور پر فکر مشرقی کے پورے ڈھانچے کو شدید ضرب پہنچنے کا قوی امکان بھی تھا۔

مذکورہ صورتِ حال کی اندرونی اور گہری نزاکت، شاید ان اشارات سے حسبِ خواہ علمی طریقے پر کھل سکے کہ سید سلیمان ندوی، ان عناصر اربعہ میں سے ایک تھے جنھوں نے سرسید احمد کی عقلی تحریک کے خلاف زبردست کام کیا تھا اور کر رہے تھے۔ اگر اس سلسلہ سے شبلی نعمانی، ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبالؔ کی مساعی نمایاں تھی تو سید سلیمان ندوی کی محنتیں بھی کچھ معمولی نہ تھیں اور اپنی محنتوں کے مثبت اور یقینی اثرات سے وہ اس درجہ مطمئن تھے کہ ۱۹۱۷ء میں جب نواب وقار الملک کی وفات ہوئی تھی تو نہایت علمی انداز میں انھیں کچھ ایسے خیالات کا برملا اظہار کرتے ہوئے بھی چنداں قباحت محسوس نہیں ہوئی تھی[۶] جس کی نوعیت ایک ’’پیشین گوئی بلکہ ایک چیلنج‘‘ کی سی تھی۔ ایسا چیلنج جو ایک معروف ادبی مفکر و ناقد کے لفظوں میں:

’’مشرق مشرقیوں کی طرف سے، مغرب مشرقیوں کی طرف پھینکا گیا تھا، غالباً اس توقع کے ساتھ کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔‘‘[۷]

لیکن قصہ مختصر سات آٹھ برس گزرتے گزرتے ’’تذکرہ‘‘ کی صورت میں اس چیلنج کے قبول کر لیے جانے کا اعلان سامنے آ چکا تھا۔ یہ کلام اللہ کو مغربی تصورات کی عینک سے دیکھنے کی تازہ کوشش تھی جو ایک مخصوص فضا میں عوام و خواص کے سامنے آئی تھی، اگرچہ یہ بات غنیمت تھی کہ علمی اعتبار سے رعب و دبدبہ رکھنے والی یہ کتاب فکری اعتبار سے چنداں اثر خیز نہیں بن سکی تھی، لیکن دس پندرہ برس گزرتے گزرتے جب المشرقی کا قلم، اس نوعیت کے علمی و موضوعی دائرے میں آ کر، اپنے انداز سے، سب کچھ کیے کرائے پر خط تنسیخ کھینچنے لگا اور سوالیہ نشان لگانے لگا، جس کا ایک چھوٹا سا گوشہ بھی ان لوگوں کی دست رس کیا، مناسب آشنائی سے بھی محروم تھا، جنھیں مذکورہ عناصرِ اربعہ اور ان کے ہم نواؤں میں محسوب کیا جا سکتا ہے تو پھر ایسے آڑے وقت میں حضرت ملک العلما کا مطالعاتی فیضان بہرحال ایک

زبردست علمی وتحقیقی اور مدافعاتی سہارا ثابت ہوا۔ ایک ایسا سہارا جو اس خیمہ کی طرف سے اس خیمہ والوں کی طرف پہنچا ہوگا تو محسوس کیا جاسکتا ہے کہ اسے بہراشاعت کیسی نعمت غیر مترقبہ سمجھا گیا ہوگا۔

درحقیقت اس زمانے کے مخصوص حالات کی روشنی میں دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ملک العلما کے اس مقالے کی بہت ہی خاص فکری اہمیت بھی ہے اور فکری تاثیر بھی، جس نے آخر کار جب کہ ڈھکے چھپے یا کھلے بندوں ''مغربی مشرقیوں'' کو چیلنج دینے والے ''مشرق مشرقیوں'' کے لیے یک گونہ بے بسی کے سوا کچھ نہ رہا تھا تو ملک العلما کا قلم فیصلہ کن ڈھال اور تلوار بن کر آیا، جس سے فکری محاذ پر جو بے بس ہوا چاہتے تھے ان کی مدافعت بھی ہوگئی اور عقل پسندی، مادیت اور مغربی تصورات سے غذا یافتہ اس تحریک کی باقاعدہ فکری وفنی کاٹ بھی، جو پھر سے ظہور میں آنے کے لیے اپنے پینترے ہی نہیں بدل رہی تھی بلکہ عجیب وغریب، تازہ بہ تازہ حملہ بھی کر چکی تھی۔ یہ ملک العلما کی علمی شخصیت ہی تھی، جس نے وقت وحالات کے تقاضے کو سمجھتے ہوئے، بالکل ہی خاص موضوع کے ساتھ، انتہائی طمطراق سے اُٹھنے والی فکر المشرقی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

''سمتِ قبلہ'' جیسے موضوع پر لکھنا اور وہ بھی ایک فعال اور معروف شخصیت کے جواب میں لکھنا، فی الحقیقت حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری کی مانند کسی موقر ومستند اور ماہر فن علمی شخصیت ہی کے لیے ممکن بھی تھا اور موزوں بھی۔ ملک العلما اس دریائے علم وہنر کے ایک عظیم شناور کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے استادِ گرامی اور ''کشف العلۃ عن سمت القبلۃ'' کے مصنف حضرت شاہ احمد رضا قادری بریلوی [۸] نے صرف یوں ہی رسماً یا وقتی دل جوئی کے لیے انھیں ''علمائے زمانہ میں علم ہیئت و توقیت سے تنہا آگاہ'' [۹] نہیں کہا تھا بلکہ واقعی وہ اس فن میں یکتائے زمانہ اور اس کی کنہیات کا بے پناہ ادراک رکھنے والے منفرد عالم دین تھے۔ اس خصوص میں، متذکرہ مقالہ سے تقریباً تیس سال پہلے ۱۳۳۰ھ/۱۲-۱۹۱۱ء میں، یعنی اپنے استاد کی حیاتِ ظاہری میں ہی وہ ''الجواھر الیواقیت فی علم التوقیت'' [۱۰] جیسی کتاب لکھ چکے تھے اور ''مؤذن الاوقات'' جیسی معروف ومتداول کتاب کا نام ان کی فہرستِ تصانیف میں آچکا تھا جو اس فن سے ان کے شغف اور اس میں ان کی مہارت کا روشن ثبوت ہے۔[۱۱] چناں چہ جب المشرقی کے رسالہ ''مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹'' میں ''سمتِ قبلہ'' کے تعلق سے ایک خاص فکری انداز کا علمی وعقلی دبدبہ قائم کرنے کی خاطر غلط اور گم راہ کن دعاوی سامنے لائے گئے تو مولانا محمد ظفر الدین قادری نے ''مشرقی اور سمتِ قبلہ'' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ایک ایسا اہم تاریخی وقلمی اور دینی فریضہ انجام دیا کہ آج تقریباً ۷۰ رسال گزر جانے کے بعد بھی علمی دنیا ان کی احسان مند ہے۔

ظاہر ہے کہ ملک العلما کا یہ مقالہ جس موضوع سے تعلق رکھتا ہے، راقم الحروف اس موضوع کے ابجد سے بھی واقف نہیں لہٰذا یہ سوال تو سرے سے خارج از بحث ہو جاتا ہے کہ اس پر فنی اعتبار سے کچھ تجزیاتی وتشریحی نظر ڈالی جاسکے۔ البتہ مقالہ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کے علمی وزن ووقار کا ایک بے نام سا اندازہ ضرور ہونے لگتا ہے، اور اس تناظر میں اس کا مزید مرتبہ یوں واثق ہوتا ہے کہ ہماری محدود معلومات کے مطابق ملک العلما کی یہ تحریر اپنے موضوع پر مسکت اور فیصلہ کن ثابت ہوئی ہے۔ ممکن ہے جدید علمی تحقیقات کی رو ورعایت سے، اس کے استناجیہ بیانات میں کچھ جزوی اور خالص تکنیکی فرق کی صورتیں بنی ہوئی ہوں کہ ہر فن میں جدید تحقیقات کے عصری تقاضے و اثرات اور اس سے استفادہ کے ضروری ملتزمات تو ہوتے ہی ہیں، لیکن بہ حیثیت مجموعی واساسی ظاہر ہے کہ اس مقالہ کے دعاوی کی تردید کے بارے میں بالعموم کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔

ملک العلما کا یہ مقالہ اگر قدرے طویل ہوگیا ہے، تو جوابی مضمون ہونے کی وجہ سے ہی طویل ہوا ہے کہ یہاں صاحبِ مضمون کو از راہِ اصلاح ووضاحت بہت سی ایسی باتیں بھی لکھنی پڑی ہیں جن کا سیدھا رشتہ اگر چہ اصل موضوع سے نہیں، لیکن جواب کے تقاضے بہر حال ان کی شمولیت چاہتے ہیں۔ یہاں ملک العلما نے مختلف النوع اغلاط کی جس طرح تجزیاتی نشان دہی کی ہے اور جس طرح متانت و دل سوزی کے ساتھ ان کی اصلاحی وضاحت فرمائی ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔

المشرقی کی غلطیاں چاہے علم تاریخ وجغرافیہ کے اعتبار سے ہوں یا مصطلحاتِ علمیہ کے اعتبار سے، بہر حال انھیں اس مضمون میں ایک ایک کر کے دکھا دیا گیا ہے۔ اصل بحث کا موضوع ''سمتِ قبلہ اور اس کا تعین'' ہے اور مقالہ نگار کا کمالِ علم واخلاص یہ ہے کہ اس نے صرف اس راہ کی غلطیاں ہی نہیں بتائی ہیں بلکہ یہ بھی بتادیا ہے کہ غلطی کیوں ہوئی ہے اور سمتِ قبلہ اور اس لحاظ سے مسجدوں کی صحت اور عدم صحت معلوم کرنے کے اصول واثرات کیا ہیں؟ فرمایا:

''ہندوستان کے شہروں کی سمتِ قبلہ تین طرح کی ہے۔ بعض کا قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب بلا انحراف نقطۂ شمال یا جنوب ہے اور بعض کا منحرف بہ شمال اور بعض کا منحرف بہ جنوب اور ان سب کی پہچان قطب تارہ ہے۔ جہاں کا قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب ہے اور وہاں مرکز قطب کو مونڈھے کی ہڈی کے مرکز کی سیدھ میں رکھنا ہوتا ہے اور جس جگہ کا قبلہ منحرف بہ شمال ہے، وہاں قطب تارہ کو مونڈھے کے اگلے حصہ کی طرف کرنا ہوتا ہے اور جہاں کا قبلہ منحرف بہ جنوب ہو وہاں قطب تارہ کو مونڈھے کی پشت پر رکھنا ہوتا ہے..... سمتِ قبلہ جاننے کے لیے صرف عرض البلد کا نہیں اس کے ساتھ طول البلد کا معلوم کرنا بھی

ضروری ہے......مشرقی صاحب......صرف عرض البلد کا لحاظ کرتے ہیں، اس لیے......مشرقی صاحب کا رسالہ شروع سے آخر تک بالکل غلط ہے......جن مسجدوں کے قبلے صحیح سمت میں نہیں ہیں تو اگر وہ ۴۵/ درجہ کے اندر تک ہیں جب بھی نماز صحیح ہو جائے گی......سمتِ کعبہ کی جانب رُخ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ رُخ کا کوئی جز کعبہ کی سمت میں واقع ہو......''۱۲؎

اِس اقتباس کی آخری سطروں سے صاف ظاہر ہے کہ نفسِ موضوع پر ملک العلما نے اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ مسئلہ کا فقہی رُخ اور عملی پہلو بھی سامنے آ گیا ہے۔

ملک العلما کا زیرِ نظر مضمون ۱۳+۱۳ یعنی دونوں قسطوں میں ملا کر ۲۶/ ذیلی عناوین سے آراستہ ہے۔ یہاں نہ صرف یہ کہ خاص فنی اصطلاحات، مخففات اور طرق و علامات سے کام لیا گیا ہے بلکہ اس مضمون میں تین نقشے بھی ہیں جو مذکورہ رسالہ میں ج ۴۵، ش ۱، ص ۲۸/ اور ج ۴۵، ش ۲، ص ۲۸/ و ص ۱۳۸/ پر دیکھے جا سکتے ہیں، پھر ص ۱۲۵/ تا ص ۱۲۷/ سو سے زائد شہروں کی ایک تفصیلی جدول بھی دی گئی ہے جس میں شہر کے نام کے ساتھ، اس کی ''جہت'' اور ''قوسِ انحراف'' کا درجہ و دقیقہ بتا دیا گیا ہے۔ یہ جدول بنگال، بہار و اڑیسہ، ممالکِ مغربی و شمالی اور صوبۂ پنجاب کے مختلف شہروں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس جدول کی رو سے پٹنہ کی جہت شمالی ہے اور قوسِ انحراف ۵۶/ درجہ ۳/ دقیقہ۔

پیشِ نظر مضمون میں حقیقت یہ ہے کہ ملک العلما نے صرف ایسی خالص تکنیکی اور برجستہ جوابی باتیں ہی نہیں لکھی ہیں جو خاص طالبانِ فن کے لیے ہوں یا جن کی حیثیت موقتی اور جن کی افادیت شخصی طور پر صرف مخاطب ہی کے لیے ہو بلکہ اس مضمون کا ایک بہت ہی خاص افادی و اضافی پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں جگہ جگہ ایسے دل چسپ بیانات ملتے ہیں جو ایک عام قاری کی معلوماتِ عامہ میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔ مثلاً کہیں علم جغرافیہ، علم ہیئت اور قوس سمتِ قبلہ کی تعریف ملتی ہے، کہیں اقسام سمتِ قبلہ اور سمتِ قبلہ معلوم کرنے کے طریقے بتائے جاتے ہیں اور کہیں علم ہیئت و نجوم کا فرق واضح کر دیا جاتا ہے کہ:

''علم ہیئت، افلاک کی حرکات اور کواکب کے اوضاع و اطوار سے بحث کرتا ہے اور علم نجوم میں ان اوضاع و حرکات کے آثار سے بحث ہوتی ہے......۲۹/ مئی اور ۱۴/ جولائی کی تاریخوں میں اپنے شہر اور مکہ معظّمہ میں جتنے گھنٹے اور منٹ کا فرق ہو، نصف النہار کے بعد، اتنے گھنٹہ اور منٹ پر کسی عمود یا پایہ کا سایہ دیکھیں یا خود سیدھے دھوپ میں کھڑے ہو جائیں، اس وقت سایہ ٹھیک سمتِ قبلہ کو بتائے گا......''۱۳؎

غرض کہ اس نوعیت کے متعدد نکات کی پیش کش سے اس مقالہ کو معلوماتی، دل چسپ اور مفید عام بھی بنانے کی کامیاب سعی کی گئی ہے، پھر جہاں تک اس مقالہ کے استدلالی پہلو کا تعلق ہے، یہ

المجسطی، کشف الظنون، دائرۃ المعارف، تفسیر کبیر، مؤذن الاوقات، انڈکس اٰف میپ، موسیٰ رومی کی شرح چغمنی، عبارت علامہ برجندی، دلائل فخر الدین رازی، میتھومیٹیکل اٹلیس لوگارتھمس چیمبر، تشریح الافلاک بہاء الدین محمد عاملی اور **شرح تشریح الافلاک علامہ عصمت اللّٰہ نیز آلۂ اسطرلاب و دائرۂ ہندیہ** کے تذکرے، خصوصی حوالے اور اہم اشارات سے مزین نظر آتا ہے۔ مقالہ میں عربی عبارتوں کا اکثر مقامات پر ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ اسلوبِ بیان میں علمی شان، دلائل حصر، طرقِ استدلال اور طرزِ قطعیت نمایاں ہے اور برجستہ جوابی اعتراض اور شگفتہ ظرافت و طنزِ ملیح کے عمدہ نمونے بھی ملتے ہیں۔ لکھا ہے:

''خیال تھا کہ مذہب کے متعلق ان کے معلومات و خیالات کیسے ہی ناقص و غلط ہوں، لیکن جدید علوم سے ان کو ضرور واقفیت ہوگی، لیکن...... وہ مولویوں کی جہالت کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً جن عالمانہ خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید علوم میں بھی ان کا پایہ مذہبی علوم سے کم نہیں...... بے خبری بھی کیا چیز ہے اس کے طفیل میں آدمی جو جی میں آئے کہہ دیتا ہے، کوئی ذمہ داری نہیں...... دیکھیے ان کی پرواز کہاں تک لے جاتی ہے۔ یہ دعویٰ بھی ان کے قصورِ علم کا نتیجہ ہے......میں مشرقی صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ مغربی قوموں نے یورپ میں کتنے کروڑ باریک بیں رصدی آلات بیت المقدس کی سمت معلوم کرنے کے لیے شہر بہ شہر نصب کر دیے، کیا مسلمانوں کے لیے خانۂ کعبہ کی جو اہمیت ہے مغربی قوموں کے لیے بیت المقدس کی اس سے کم ہے۔''۱۴؎

اس طرح جوابی ضرورت کی خاطر ایسے طنز و ظرافت سے آراستہ اسلوب کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ ایک خشک موضوع پر اظہارِ خیال میں ثقالت کا ممکنہ عنصر کم سے کم ہوتا چلا گیا ہے۔ یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ المشرقی کی جو عبارتیں مضمون میں آئی ہیں وہ ان کے تیکھے اور تذلیل آمیز اسلوب کو ظاہر کرنے سے قاصر نہیں ہیں اس طرح جواباً ملک العلما نے جو طرز اپنایا ہے اس کا مزید ایک خاموش جواز بھی خود بخود مل جاتا ہے۔ غرض کہ بہ ہمہ جہت یہ ملک العلما کا ایک نفیس و کامیاب علمی مقالہ ہے جس کی مقصدی و موضوعی اہمیت اور فکری و فنی افادیت آج بھی قاری کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔

تعلیقات وحواشی:

(۱) ڈاکٹر مختار الدین کا محولہ مقالہ متعدد بار اشاعت پا چکا ہے۔ ''مؤذن الاوقات'' مؤلفہ محمد ظفر الدین قادری، مرتبہ مختار الدین احمد، اشاعت علی گڑھ، دسمبر ۲۰۰۱ء کے آخر میں بھی ص ۲۹/ تا ص ۴۰/ یہ مضمون موجود ہے، اس صراحت کے

ساتھ کہ یہ پہلی مرتبہ ادارۂ نعمانیہ لاہور سے مئی ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا، پھر یہ مضمون ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' مصنفہ مولانا محمد ظفرالدین قادری کے پاکستانی ایڈیشن ۲۰۰۳ء کے ''مقدمہ'' کی صورت میں بھی ضروری اختصار کے ساتھ حاضر ہے اور اسے حضرت مولانا ظفرالدین قادری کی ''صحیح البہاری'' کے حیدرآبادی ایڈیشن ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء میں بھی ص ۱ر تا ص ۳۴ر دیکھا جا سکتا ہے۔اس وقت حوالہ کے لیے ہمارے سامنے ''مؤذن الاوقات'' اور ''صحیح البہاری'' کے متعلقہ صفحات کھلے ہوئے ہیں۔

(۲) مذکورہ مقالے میں سن کے اندراج میں غلطی سخت حیرت ناک ہے۔ نہ صرف ''۱۳۸۲ء'' لکھنا غلط ہے بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ اسی جگہ دو سطر اوپر ''مشرقی کا غلط مسلک'' کے ساتھ ''۱۳۸۴ھ'' لکھا ہے، حالاں کہ اصلاً ''۱۳۵۸ھ'' ہونا چاہیے جیسا کہ ''مشرقی اور سمتِ قبلہ'' کے ساتھ درج ہے۔

(۳) یہ عیسوی سن، مختارالدین احمد کے مقالہ سے لیا گیا ہے، صحیح البہاری، حیدرآبادی ایڈیشن میں ص ۲۶ر تطبیق کے لیے ابونصر محمد خالدی کی مرتبہ ''تقویم ہجری وعیسوی'' شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، مارچ ۱۹۷۷ء سامنے رہی ہے۔

(۴) مقالہ ''مشرقی اور سمتِ قبلہ'' مولانا محمد ظفرالدین قادری، رسالہ معارف نمبر، جلد ۴۵، ص ۲۵، سطر افتتاحیہ

(۵) اردو ادب کی ایک صدی، ڈاکٹر سید عبداللہ، شائع کردہ مکتبہ محبانِ اردو، دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۷ر و ص ۱۲۸

(۶) سید سلیمان ندوی کے متذکرہ بیان کے لیے ''معارف'' فروری ۱۹۱۷ء

(۷) اردو ادب کی ایک صدی، ڈاکٹر سید عبداللہ، شائع کردہ مکتبہ محبانِ اردو، دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۶ر و ص ۱۲۷

(۸) اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا قادری بریلوی کا سالِ ولادت ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء اور سالِ وفات ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء ہے۔سمتِ قبلہ پر ان کی کتاب ''کشف العلة عن سمت القبلة'' ایک بے نظیر علمی تصنیف مانی جاتی ہے۔اس کتاب کے نام سے ۱۳۲۴ھ برآمد ہوتا ہے جو ہجری تقویم کے لحاظ سے اس کا سالِ تصنیف ہے اور عیسوی تقویم سے اس کا سالِ تطابق ۱۹۰۶ء قرار پاتا ہے، یہ کتاب ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء میں المجمع الرضوی بریلی کے زیر اہتمام، مولانا قاضی شہید عالم رضوی کی تقدیم و تحشیہ اور ترتیب کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

(۹) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے اس قول کی تفصیلات کے لیے: کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مطبوعہ کلیر شریف، ص ۱۲۱

(۱۰) ملک العلما کی یہ کتاب ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت'' کے سالِ تصنیف کے تقریباً بیس سال اور مقالہ ''مشرقی اور سمتِ قبلہ'' کی رسالہ ''معارف'' میں اشاعت کے تین سال بعد جنوری ۱۹۴۳ء/۱۳۶۲ھ میں برقی پریس مرادآباد سے شائع ہوئی، اس میں ملک العلما نے اپنے استاد، حضرت رضاؔ کی تصنیف ''کشف العلة'' کا دوسرا باب شامل فرمایا ہے۔

(۱۱) واضح رہے کہ ملک العلما نے اپنی کتاب ''مؤذن الاوقات'' کا ذکر اس مقالہ میں بھی لایا ہے، معارف، ج ۴۵، ش ۲، ص ۱۲۴، ص ۱۲

(۱۲) مقالہ ''مشرقی اور سمتِ قبلہ'' معارف اعظم گڑھ، ج ۴۵، ش ۱، ص ۳۱ و ص ۳۳ و معارف، ج ۴۵، ش ۲، ص ۱۳۸

(۱۳) مقالہ ''مشرقی اور سمتِ قبلہ'' معارف اعظم گڑھ، ج ۴۵، ش ۱، ص ۳۲ و معارف، ج ۴۵، ش ۲، ص ۱۳۶، یہاں ۱۹ر مئی اور ۱۴ر جولائی ہی لکھا ہے، مگر ''کشف العلة'' کے ایڈیشن ۱۴۲۴ھ میں ص ۴۳ پر یہ تاریخ مزید تفصیل کے ساتھ ۱۶ر جولائی بتائی گئی ہے۔مزید یہ اہلِ فن کی تحقیق و وضاحت کا معاملہ ہے۔

(۱۴) مقالہ ''مشرقی اور سمتِ قبلہ'' معارف اعظم گڑھ، ج ۴۵، ش ۱، ص ۲۵ و ص ۲۹ و معارف، ج ۴۵، ش ۲، ص ۱۳۲

الحاج محمد سعید نوری صاحب کے والد ماجد کی رحلت

رضا اکیڈمی کے جنرل سکریٹری الحاج محمد سعید نوری، محمد رفیق رضوی (منا بھائی) محمد حسن رضوی کے والد ماجد محمد شفیع احمد رضوی مختصر علالت کے بعد بتاریخ ۱۶ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۱ر نومبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات صبح ۱۱:۳۰ (ساڑھے گیارہ بجے) اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے انا للّٰه و انا الیه رٰجعون. مرحوم حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے بیعت تھے۔ نیک، ملنسار اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے اور مکمل مذہبی شخصیت کے مالک تھے، مرحوم کے پس ماندگان میں تین بیٹے ہیں: محمد سعید نوری، محمد رفیق رضوی، محمد حسن رضوی اور سات بیٹیاں ہیں۔ مرحوم کی نمازِ جنازہ بعد نماز عشا کھتری مسجد کے باہر مولانا سید سراج اظہر رضوی کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ بعدہٗ تدفین بڑا قبرستان (نیو مرین لائن) میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے۔ اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے بروز جمعہ بعد نماز عشاء کھتری مسجد بنیان روڈ ممبئی ۳ر میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں تمام عزیز و اقارب، دوست و احباب و رشتہ داروں نے شرکت کی، خصوصی طور پر حضرت مولانا محمد توصیف رضا خاں بریلوی صاحب، مولانا سید سراج اظہر صاحب، حضرت سید معین الدین اشرف صاحب (معین میاں)، مفتی محمود اختر صاحب، مولانا منصور علی خاں قادری صاحب، مفتی محمد اشرف رضا صاحب، مولانا سید عبدالجلیل صاحب، مولانا فریدالزماں صاحب، محمد عارف نسیم خان وزیر اقلیتی امور مہاراشٹر، صوفی محمد عیسیٰ نوری، مولانا مقصود علی صاحب، مولانا خلیل الرحمٰن نوری، مولانا امان اللہ رضا، مولانا محمود عالم رشیدی، مولانا ولی اللہ شریفی نے شرکت کی اور مرحوم کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔

جنازے میں شریک علمائے کرام اور تعزیت پیش کرنے والوں میں چند علمائے کرام و مشائخ طریقت کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت سید محمد امین میاں برکاتی، حضرت سید محمد اشرف برکاتی، حضرت سید نجیب حیدر برکاتی، حضرت سید عثمان میاں (مارہرہ شریف)، مولانا سبحان رضا خاں (بریلی شریف)، علامہ قمرالزماں خاں اعظمی، مفتی نظام الدین رضوی، مفتی محمد مجیب اشرف رضوی، مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا یٰسٓ اختر مصباحی، مفتی مطیع الرحمٰن، مولانا ابوالحقانی، مولانا غلام ناصر، مولانا لقمان، محمد ناصر (خادم حضور مفتی اعظم ہند)، مولانا منان رضا خاں منانی میاں، مولانا انس رضا خاں، مولانا محمد حنیف خاں رضوی، مولانا اویس قرنی (بریلی شریف)، مصطفیٰ مدنی (مدینہ شریف)، مولانا احمد القادری (امریکہ)، پروفیسر مجید اللہ قادری، سید وجاہت رسول قادری (ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی)، قاری جنید، مولانا یوسف رضا (بھیونڈی)، مولانا

غلام نبی (کلیر شریف)، انصار جامی (برہان پور)، عتیق برکاتی (کان پور)، حافظ شکیل احمد، غلام مصطفیٰ رضوی (مالیگاؤں)، مولانا انیس عالم سیوانی، مولانا رحمت اللہ صدیقی، مولانا نفیس اشرف (سنبھل)، مولانا شاکر علی نوری، ابوبکر عطاری، سید عابد حسین رضوی، مفتی یعقوب، قاری عبدالرشید رحمانی، سید اکرام (دارالعلوم محبوب سبحانی)، مولانا توفیق برکاتی، مولانا سلیم، مولانا سراج اظہر خاں (بریلی شریف)، مولانا رضوان (گھوسی)، سید عبداللہ، عاقب فرید (دبئ)، عبدالجبار ماہر القادری، مولانا معین الحق علیمی، مولانا عرفان علیمی، مولانا غلام حسن (دہلی)، انجینئر سید فضل اللہ چشتی، مولانا انوار احمد امجدی، مولانا غلام حسن، مفتی یحییٰ، حاجی معین اشرفی (دہلی)، مولانا عاقل (دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف)، مفتی انور علی (کرناٹک)، مولانا غلام مصطفیٰ برکاتی (نوساری)، مولانا غلام حسین شافعی، صوفی عبد الصمد، مولانا عبد الرب صاحب، مولانا اسلم مصباحی، مولانا علاء المصطفیٰ (گھوسی)، مولانا عبد الهادی (افریقہ)، ڈاکٹر بیت اللہ (ویجا پور)، سید مجتبیٰ اشرف (رائچور)، حاجی محمد توفیق (نائے گاؤں)، سید آصف علی (الہ آباد)، سید عرفان (اجمیر شریف)، سید جمیل رضوی (جالنہ)، حافظ شمس الحق (لدھیانہ)، سید محمد ہاشمی (ممبئ)

دفتر رضا اکیڈمی پر حضور تاج الشریعہ کی آمد اور محفل ایصال ثواب

رضا اکیڈمی کے سربراہ الحاج محمد سعید نوری کے والد ماجد شفیع احمد رضوی کے وصال پر جانشین مفتی اعظم ہند حضور تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری مدظلہ العالی و جانشین تاج الشریعہ حضرت علامہ محمد عسجد رضا خاں قادری نے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے الحاج محمد سعید نوری صاحب کے اہلِ خانہ کو صبر کی تلقین فرمائی۔ اس ضمن میں محفلِ ایصالِ ثواب کا انعقاد ۲۶ر نومبر ۲۰۱۳ء بروز منگل دو پہر ٹھیک تین بجے دفتر رضا اکیڈمی پر کیا گیا۔ حضور تاج الشریعہ نے مرحوم شفیع احمد رضوی کی مغفرت کے لیے خصوصی دعا فرمائی، الحاج محمد سعید نوری کے چھوٹے صاحب زادے نوری میاں نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی نعت پاک حضور تاج الشریعہ کی موجودگی میں پیش کی۔ اس موقع پر الحاج محمد سعید نوری کے علاوہ مولانا عاشق حسین رضوی کشمیری، محمد رفیق (منّا بھائی)، عارف بھائی رضوی (رضا آفسیٹ)، حاجی عبد الغفار (بابو بھائی) حاجی محمد یونس رضوی، محمد حسن رضوی، شیخو بھائی، معین رضوی، عبد الصمد رضوی، مشتاق رضوی، محمد فاروق میمن (المعین ٹور)، محمد ناظم رضوی، مولانا محمد رمضان علی رضوی، مولانا اسلم رضا مصباحی کٹیہاری، ڈاکٹر رئیس احمد رضوی، حاجی افضل غازیانی، ساجد تابانی، شکیل احمد سبحانی، عدنان رضوی، عفان مبین دلارے ان حضرات کے علاوہ مالیگاؤں، بھیونڈی، کلیان، تھانہ اور ناسک کے نمائندگان شریک تھے۔

مفتی اعظم راجستھان مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی کی رحلت

۱۵ر اکتوبر بروز منگل سہ پہر ۳ر بجے مفتی اعظم راجستھان مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی کا جودھ

پور راجستھان میں بعمر ۹۲ر سال وصال ہوگیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون. آپ مفسر قرآن صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی کے دسترخوانِ علم کے خوشہ چیں اور فکر امام احمد رضا کے مبلغ تھے۔ راجستھان کی صحرائی زمیں پر علم دین کی لہلہاتی بہاروں میں آپ کا خونِ جگر شامل ہے۔ درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور اصلاحِ مسلمین اور خدمتِ علم دین کے حوالے سے آپ کی خدمات سے پورا خطۂ راجستھان سیراب ہے۔ تدفین ۱۰ر ذی الحجہ بدھ سہ پہر ۳ر بجے اشفاقیہ انسٹی ٹیوٹ جودھ پور راجستھان میں عمل میں آئی۔

نعتیہ ادب کے نیر تاباں حسنین میاں نظمی کا وصال

یکم محرم ۱۴۳۵ھ/ ۶ر نومبر ۲۰۱۳ء بروز بدھ صبح تقریباً ساڑھے گیارہ بجے نعتیہ ادب کے معروف شاعر اور مرکزِ روحانیت مارہرہ مطہرہ کے زیب سجادہ سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی کا ممبئ میں وصال ہوگیا انا للّٰہ و انا الیہ راجعون. بہت سے علمی جواہر پارے آپ نے دنیائے علم وادب کو عطا کیے۔ آپ کا نمایاں کارنامہ کلام الرحمٰن (ہندی ترجمہ کنزالایمان وخزائن العرفان) ہے۔ اس کے علاوہ اسلامک جنرل نالج پر آپ کی کتاب ''کیا آپ جانتے ہیں'' مشہور ہے اور دہلی وممبئ نیز پاکستان سے مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ نعتیہ ادب میں شرعی احتیاط اور شرعی پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت نظمی مارہروی نے نعتیں لکھیں۔ آپ کے متعدد مجموعہ ہائے کلام منظر عام پر آ کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کی تدفین مارہرہ مطہرہ میں عمل میں آئی۔

خواجۂ علم وفن مولانا مظفر حسین رضوی کی رحلت

علوم قدیمہ وجدیدہ کے ماہر حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی ۲۰ر اکتوبر بوقت شب ساڑھے تین بجے بعمر ۸۰ر سال محمد پور، فیض آباد یوپی میں وصال فرما گئے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون. خواجہ صاحب فقہ، توقیت، فلکیات، زیجات، تکسیر، ہیئت وغیرہ علوم کے ماہر اور یکتائے روزگار تھے۔ ملک العلما علامہ ظفر الدین رضوی بہاری وحضور مفتی اعظم ہند کے ممتاز تلامذہ میں تھے۔ بریلی شریف کی دانش گاہ سے استفادۂ علمی فرمایا۔ درجنوں علمی وتحقیقی مقالات ومضامین یادگار ہیں۔ متعدد درس گاہوں میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ تدفین آبائی وطن بائسی پورنیہ میں عمل میں آئی۔

مولانا نصر اللہ رضوی کی رحلت

حضرت مولانا نصر اللہ رضوی استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد (یوپی) ۹ر نومبر کی صبح وصال فرما گئے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون. مولانا موصوف تدریسی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے۔ آپ کے کثیر تلامذہ خدمتِ دین وسُنّیت انجام دے رہے ہیں۔

۲۰۱۳ء میں رضا اکیڈمی کی سرگرمیاں

۱؍جنوری ۲۰۱۳ء: سنی رضوی کیلنڈر کی اشاعت

۲؍جنوری ۲۰۱۳ء: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں چارلی ہیبو نامی اخبار نے گستاخی کی اس کے خلاف رضا اکیڈمی کا احتجاج

۲؍جنوری ۲۰۱۳ء: عرسِ رضوی پر رضا اکیڈمی کی عظیم الشان پیش کش: (۲۸؍کتابوں کا سیٹ)

۷؍جنوری ۲۰۱۳ء: ۹۴؍ویں عرس اعلیٰ حضرت کا کھتری مسجد ممبئی ۳؍ میں انعقاد

۹؍جنوری ۲۰۱۳ء: ایک کروڑ مرتبہ درود شریف پڑھنے کی رضا اکیڈمی ممبئی کی اپیل

۱۸؍جنوری ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کے وفد نے الحاج محمد سعید نوری کی قیادت میں دھولیہ کا دورہ کیا

۱۸؍جنوری ۲۰۱۳ء: عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جلوس مکمل طور پر شرعی جلوس ہے (بیان جاری کیا گیا)

۲۱؍جنوری ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کے بانی محمد سعید نوری کی جلوسِ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلے میں ضروری ہدایات نیز خصوصی گفتگو۔

۳۰؍جنوری ۲۰۱۳ء: سلمان رشدی کو عوامی جلسہ سے تقریر کرنے نہ دیا جائے، رضا اکیڈمی کا وزیر اعلیٰ و وزیر داخلہ سے تحریری مطالبہ

۱۸؍فروری ۲۰۱۳ء: حج و عمرہ پر ٹیکس مسلمانانِ ہند کو نامنظور (رضا اکیڈمی کا احتجاجی مراسلہ)

۲۱؍فروری ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کی جانب سے جشنِ تاج دارِ بغداد اور سالانہ فاتحہ

۲۶؍فروری ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام انڈیا اسلامک کلچر سینٹر میں ''حج ٹیکس مخالف کانفرنس''

۳۰؍مارچ ۲۰۱۳ء: الحاج محمد سعید نوری کی دعوت پر الحاج محمد اویس رضا قادری کی آمد اور نعتیہ محفل

مارچ ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کی میٹنگ میں علما کا اظہارِ خیال ''اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریباً ۵۰۰؍کتابوں کی اشاعت کا عظیم منصوبہ

۱۵؍اپریل ۲۰۱۳ء: الحاج محمد سعید نوری بانی رضا اکیڈمی کے دورۂ بہار پر پریس کانفرنس

۱۵؍اپریل ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی ممبئی اور امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کا اعلان ''امام احمد رضا پر جدید علمی و تحقیقی کتاب لکھنے پر دو لاکھ کا انعام''

۱۶؍اپریل ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی ممبئی اور امام احمد رضا اکیڈمی بریلی نے مشترکہ طور پر اعلیٰ حضرت کے جشن صد سالہ کو علمی و تحقیقی اعتبار سے تاریخی بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔

۱۷؍اپریل ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کے کارنامے قابلِ ستائش (مولانا صدام حسین عمادی قادری کا تاثر)

۱۸؍اپریل ۲۰۱۳ء: الحاج محمد سعید نوری بانی رضا اکیڈمی ممبئی کی پٹنہ کے مذہبی دورے سے واپسی

۷؍مئی ۲۰۱۳ء: بانی رضا اکیڈمی نے شام میں صحابی رسول کے مزار کی شہادت پر مذمت کی

۲؍جولائی ۲۰۱۳ء: ۹؍سال ۱۰؍ماہ کی عمر میں مکمل قرآن کریم حفظ کرنے والے بچے کے والد کو بانی رضا اکیڈمی محمد سعید نوری نے مبارک باد پیش کی

۷؍جولائی ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی مالیگاؤں کے زیر اہتمام پانچ مساجد کا افتتاح اور الحاج محمد سعید نوری کی شرکت

۹؍جولائی ۲۰۱۳ء: درگاہ کمیٹی اجمیر شریف کا ممبر منتخب ہونے پر جناب محمد سعید خاں رضوی کا استقبالیہ

۱۵؍اگست ۲۰۱۳ء: مسلمانوں کے جذبات مجروح کیے جانے پر رضا اکیڈمی کا احتجاج (فلم ونس اپون اے ٹائم ان ممبئی دوبارہ پر پابندی عائد کی جائے)

۱۷؍اگست ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کی جانب سے سُنّی بڑی مسجد میں جشن یوم رضا کا انعقاد

۱۷؍اگست ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کی شکایت پر پولس نے بھیونڈی میں فلم ونس اپون اے ٹائم ان ممبئی دوبارہ میں متنازعہ گانا ہٹادیا

۹؍ستمبر ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کے بانی الحاج محمد سعید نوری کو آزاد میدان سانحہ معاملے میں تین کروڑ جرمانہ کی نوٹس

۲۲؍اکتوبر ۲۰۱۳ء: کلیان کی چودھری مسجد میں نمازِ جمعہ بند کرنے پر تنازعہ، بھیونڈی ایڈیشنل کمشنر سے رضا اکیڈمی کے وفد نے ملاقات کر کے میمورنڈم پیش کیا

۲۷؍اکتوبر ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کی جانب سے جشن یوم ولادت حضور مفتی اعظم و تبرکات حضور مفتی اعظم کا نوری محفل گھوگھاری محلہ ممبئی ۳؍ میں اہتمام

۹؍نومبر ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی نے بھیونڈی پاورلوم بند کی حمایت کا اعلان کیا

۱۳؍نومبر ۲۰۱۳ء: یومِ عاشورہ کی سرکاری چھٹی کے لیے رضا اکیڈمی کے وفد کی عارف نسیم خاں سے ملاقات

۲۲؍نومبر ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کے بانی الحاج محمد سعید نوری صاحب کے والد محمد شفیع احمد رضوی کا انتقال

۲۷؍نومبر ۲۰۱۳ء: دفتر رضا اکیڈمی پر حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری قبلہ کی آمد اور محفلِ ایصال ثواب کا انعقاد

۲۹؍نومبر ۲۰۱۳ء: مالیگاؤں میں تاج الشریعہ کی آمد پر رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام تاریخی سنی کانفرنس کا انعقاد

۶؍دسمبر ۲۰۱۳ء: رضا اکیڈمی کی اپیل پر ملک بھر میں ۳:۴۵؍منٹ پر اذانیں دی گئیں

☆اس کے علاوہ رضا اکیڈمی نے ۲۰۱۳ء میں مختلف عنوانات پر کتابیں شائع کیں، خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ۱۳۵؍سے زائد رسائل جو ۲۵؍جلدوں میں ہیں

☆تفسیر نعیمی ۱۸؍جلدیں ☆ فتاویٰ رضویہ شریف ۱۲؍جلدیں ☆ الادب المفرد ☆ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف ۷؍جلدیں (اردو ترجمہ) ☆ طحاوی شریف ۴؍جلدیں (اردو ترجمہ) ☆ کنز الایمان اور معارف تراجم قرآن ☆ اس کے علاوہ خصوصی پیش کش سُنّی رضوی ڈائری ۲۰۱۴ء شائع کی گئی۔